ماھنامہ

حکمت بالغہ

جون2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اورفیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ/http://jhanghikmat.co.cc یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

سورۃ الصّف مدنی سورۃ ہے اور اس کی مرکزی آیت 9 میں آنحضرت ﷺ کے مقصد بعثت کی ''اتمامی وتکمیلی'' شان کا بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دو چیزوں کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ایک "اَلْھُدٰی" یعنی قرآن مجید اور دوسرے "دِیْـن الـحَـقّ" یعنی اطاعت خداوندی کے اصل الاصول پر مبنی انسانی زندگی کا مکمل اور متوازن نظامِ عدل وقسط' تاکہ اس دین الحق کو کل کے کل دین (نظام زندگی) پر غالب کر دیا جائے۔ آپ ﷺ کے مقصد بعثت میں جہاں انذار وتبشیر، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت اور تزکیۂ نفوس وتصفیۂ قلوب ایسے اساسی وبنیادی امور بھی لامحالہ شامل ہیں جو بعثت انبیاء علیہم السلام کی اصل غرض وغایت ہیں وہاں دین حق کی شہادت واقامت کا اتمامی وتکمیلی مرحلہ بھی شامل ہے اور یہی آپؐ کے مقصد بعثت کی امتیازی شان ہے۔ اس مقصد عظیم کے لیے امکان بھر جدوجہد کرنا اور اپنی جان ومال لگانا ایمان کا بنیادی تقاضا اور اہل ایمان کے ایمان کے دعوے میں سچے ہونے کا ثبوت ہے اور اسی کو اصطلاحاً ''جہاد فی سبیل اللہ'' کہا جاتا ہے۔ سورۃ کی بقیہ آیات کا ربط اس مرکزی آیت کے ساتھ ذرا سا غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی آیات میں ضعیف الایمان مسلمانوں کو جہاد وقتال فی سبیل اللہ سے جی چرانے کی صورت میں زجر وملامت اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک انتہائی مبغوض ہیں وہ لوگ جو صرف زبان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور ان کے ساتھ عشق ومحبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کا عمل اس کی شہادت نہیں دیتا اور انتہائی محبوب ہیں وہ لوگ جو اس کی راہ میں قتال کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں اس شان سے صف آرائی کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک آہنی دیوار ہیں جس میں کوئی رخنہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اسی ضمن میں امت محمدیہؐ سے خطاب کیا گیا ہے کہ اپنے رسول کے ساتھ تمہاری روش اس طرح نہیں ہونی چاہیے جیسے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ اختیار کی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذہنی وقلبی اذیت دیتے رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے واضح نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود ان کو جھٹلانے سے باز نہیں آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل ہی ٹیڑھے ہو گئے اور ان سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی گئی۔

سورۃ کے دوسرے رکوع میں جہاد فی سبیل اللہ کے اجر وثواب کا اور ان اعلیٰ مراتب اور فوزِ عظیم کا بیان

ہے جن کو بندۂ مؤمن جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے حاصل کرسکتا ہے۔اور آخری آیت میں یہ مضمون اپنے عروج کو پہنچ گیا ہے کہ اہل ایمان جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اس مقامِ رفیع تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں کہ وہ عبد اور غلام ہوتے ہوئے ''انصاراللہ'' (آقا اور مالک کے مددگار) کا خطاب پائیں۔

اللہ کی تنزیہ کرتی ہے
ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے
اور وہ غالب، حکمت والا ہے
اے ایمان والو!
تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے
اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے
کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں
بے شک محبوب کردگار ہیں وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں پرے جما کر لڑتے ہیں
(ایسے طور پر) کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں
اور (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا
بھائیو تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو
حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں
تو جب اُن لوگوں نے کج روی کی، اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیے
اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا
اور (وہ وقت یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا
اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں
(اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں
اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں
پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے

تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے

اور اس کو بلایا تو جائے اسلام کی طرف

اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

یہ سب چاہتے ہیں کہ اللہ (توحید) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں

حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا

خواہ کافر ناخوش ہی ہوں

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو (آخری اور مکمل) ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا

تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے

خواہ مشرکوں کو بُرا ہی لگے

صدق الله العظيم

حرف آرزو

انجینئر مختار فاروقی

ملک خداداد پاکستان، اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت، مسلمانان جنوبی ایشیاء کے 1300 سالہ ماضی کا امین، صحابہ ﷺ، تابعین، تبع تابعین اور اپنے اپنے وقت کے علمی و روحانی سینکڑوں اعاظم رجال رحمہم اللہ کی آرزوؤں کا مظہر، لاکھوں مردوں اور عورتوں کی قربانیوں کا ثمرہ اور امت مسلمہ کی اجتماعی امنگوں اور خوابوں کی سرزمین ہے۔ اس لحاظ سے اس ملک کو کیا ہونا چاہئے تھا۔ مفکر پاکستان کا خواب کیا تھا؟ معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی تقاریر اور انٹرویو گواہ ہیں کہ یہ ملک دور حاضر میں اسلام کے عالمی غلبے کے مقتضیات کو پورا کرنے اور عالمی خلافت کے لئے سماجی، اقتصادی اور سیاسی سطح پر کئی امکانات کا تجربہ کر کے ایک قابل عمل اور مثالی کردار کے ساتھ زندہ رہنے اور دنیا کو اسلام کے عادلانہ نظام کے نقش و نگار اور حضرت محمد ﷺ کی رحمت للعالمینی کی جھلک دکھانے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

تاہم اس ملک کی جو کیفیت ہم مسلمانان پاکستان نے بنا رکھی ہے وہ اپنی جگہ ''عجوبہ'' ہی نہیں اہل فکر و نظر کے لئے حیرانی و پریشانی کا باعث ہے خواص و عوام ایک گونہ پریشانی اور غیر یقینی مستقبل کے خوف کا شکار ہیں مستقبل کے خطرات واقعی اور حقیقی ہیں یا ایک واہمہ اور سراب ہیں قطع نظر اس سے، اس خوف کی حقیقی وجہ من حیث القوم وہ ہماری کوتاہیاں اور اللہ اور اس کے رسول برحق حضرت محمد ﷺ کے دین کے تقاضوں سے عملی اعراض ہے جس کا کوئی عکس ہمارا ضمیر ہمیں دکھاتا رہتا ہے۔ اس کا ایک مثبت پہلو بھی ہو سکتا ہے اور اللہ نے چاہا تو خیر کا جذبہ پروان چڑھے گا

____________اور اگر وطن عزیز پاکستان کے بارے میں فضا میں منڈلاتے خطرات حقیقی ہیں تو زندہ اور بیدار قومیں کبھی خطرات اور چیلنجوں سے گھبرایا نہیں کرتیں اور مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر اور شعور تو کبھی باطل کے سامنے دبا ہی نہیں۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

ہم وطن مسلمانوں کے اندر موجودہ بے یقینی اور مایوسی کے گہرے سایوں میں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کے لطف وکرم کے بے انتہاء مظاہر بھی موجود ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مثبت رویہ اختیار کریں میڈیا کے پروپیگنڈے پر کان نہ دھریں اور کمر ہمت کس کر اپنے دینی تقاضوں، ملکی وملی تعمیر کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی محنت ضائع نہیں فرماتا وہ ضرور ہمارے اجتماعی حالات کو وہ شان عطا کر دے گا جو قرآن وحدیث میں اسلام کے عالمی غلبے کے ضمن میں پیش گوئیوں کے انداز میں بیان ہوئی ہے۔

اس وقت ہم مختصر انداز میں گزشتہ ایک صدی کے دوران امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ کر رہے ہیں تاکہ مایوسی کے اندھیرے میں امید کی کرن بھی دکھائی دے اور امید کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اس سے ان شاء اللہ دلوں میں ایک تازہ ولولہ اور قوائے عمل میں ایک نیا حوصلہ پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو منزل اور قریب آجائے گی۔

ذیل میں وہ حالات وواقعات اشاراتی انداز میں ترتیب وار درج کئے جا رہے ہیں۔

1۔ 1900ء کے لگ بھگ پوری دنیا میں یورپی استعمار کا راج تھا اور یورپی اقوام سیاسی طور پر بھی دنیا پر چھائی ہوئی تھیں عسکری غلبہ اس پر مستزاد تھا کہ جو علاقے ابھی آزاد تھے وہ یورپی اسلحہ اور جنگی قوت کے سامنے ہیچ تھے سیاسی اور عسکری غلبہ کے ساتھ مذہبی غلبہ بھی نمایاں تھا کہ یورپی ممالک عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بے شمار وسائل استعمال کر رہے تھے اور لوگوں کو مراعات دے کر عیسائی بنانے کا کام کر رہے تھے یورپی استعمار کو مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں مگر مسلمانوں کو

عیسائی بنانے کا کام انہوں نے بڑے زور وشور سے کیا ہے اور اس طرح مسلمانوں کی عددی قوت کو کمزور کیا ہے اور اب بھی افغانستان، عراق، زلزلہ زدہ کشمیر میں کر رہے ہیں اور اب سوات میں بھی امداد کے نام پر کریں گے۔

اسی زمانے میں برطانوی استعمار نے خاص طور پر جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کے کئی ٹکڑے کر کے ان کے اختلافات کو ابھارا اور وسائل خرچ کر کے ان کو ایک دوسرے کے خلاف مناظرہ بازی، کج بحثی اور کلامی مسائل میں الجھایا ہے چنانچہ بیسویں صدی کی پہلی چھ دہائیاں مذہب کی سطح پر علمی مناظروں اور کج بحثیوں کا نقطہ عروج ہیں جس سے پڑھے لکھے لوگوں کو علماء سے بدظن کرنے کا کام لیا گیا۔

2۔ بیسویں صدی کا آغاز وہ دور ہے جس میں برطانوی استعمار کا حال یہ تھا کہ اس کے اقتدار کا سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اس کے مقبوضات اتنے وسیع تھے کہ کہیں نہ کہیں دن رہتا تھا اور برطانوی مورخ برٹرینڈ رسل (وفات 1971ء) اپنے بچپن کی یادداشتوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ برطانیہ میں عام رائے یہ تھی کہ برطانوی قوم کو جو عروج دنیا میں حاصل ہے وہ عروج کبھی ختم نہیں ہوگا اور حقیقتاً ہر برطانوی شہری اور فوجی اس زعم میں مبتلا تھا اور اس خمار میں مست تھا حتیٰ کہ ہمارے مسلمان بھی ان کے اس یقین سے متاثر تھے۔

3۔ 1914---1918ء تک جنگ عظیم اوّل کا میدان سجایا گیا اور عالمی یہودی ذہن نے یورپ کو ہی آپس میں لڑا دیا تا کہ وہ اپنے مفادات حاصل کر سکے۔ اور اہل علم کے لئے حیرانی کا باعث ہے کہ برطانیہ کے پیچھے بھی یہودی ذہن اور سرمایہ تھا اور جرمنی کے پس پشت بھی یہودی ذہن اور سرمایہ۔ دراصل یہودی اپنا اور اپنے قومی مشن کا نقصان نہیں چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ فریقین میں جو بھی جیتے یہودی مفادات کا تحفظ یقینی ہو بلکہ مستقبل کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کی جائیں۔

اس جنگ کے نتیجے میں ترکی جو ایک عظیم مسلمان عثمانی سلطنت کا نشان تھا، جرمنی کا اتحادی تھا اور جرمنی کی شکست کے ساتھ ہی اس کے حصے بخرے کر دیئے گئے اور صرف ترکی نام کا مختصر سا ملک رہ گیا۔ بیت المقدس، فلسطین، مشرق وسطیٰ، حجاز مقدس سارے کا سارا علاقہ انگریزی

قلمرو میں چلا گیا کہیں براہ راست اور کہیں انگریز کے پروردہ حکمرانوں کی وساطت سے ان علاقوں پر سیاسی غلبہ یقینی بنایا گیا۔شمالی افریقہ کا بھی یہی حال تھا بلکہ مقام عبرت ہے کہ اس جنگ میں ترکوں سے حجاز حاصل کرنے کے لئے جو جنگ ہوئی اور کعبہ پر حملہ ہوا اور گولیاں چلائی گئیں یہ سب کرنے والی فوج مسلمان تھی اور موجودہ پنجاب کے علاقے کی تھی۔

4۔ 1917ء میں ہی روسی انقلاب آ گیا اور یوں کئی مسلمان ریاستیں سلطنت عثمانی سے کٹ کر یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک (USSR) بن گیا جہاں مسلمانوں کو اسلامی شعائر کا نام لینے سے بھی جبراً روک دیا گیا۔اور 1924ء میں عظیم سلطنت عثمانیہ جواب صرف ترکی تک محدود ہوگئی تھی اس میں برطانیہ نے سازش کر کے مصطفٰے کمال اتاترک کو حکمران بنا دیا جس نے ملک میں اسلامی حکومت ختم کر دی اور 1300 سالہ اسلامی روایات پر قلم پھیر کر یورپی قانون ROMAN LAW (دیوانی اور فوجداری) عدالتوں میں نافذ کر دیا۔یہ سقوط خلافت ہے اور مسلمانان عالم پر زوال کی انتہاء۔

5۔ 1924ء میں خلافت کی تنسیخ پر سارا عالم اسلام سویا رہا صرف برطانوی ہند کے مسلمانوں نے شاندار تحریک چلائی اور محسوس کیا کہ برطانوی اقتدار ڈانواڈول ہو گیا۔ ہندوؤں نے حالات کو بھانپ کر مسلمانوں کی تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کر لی۔

یہی وہ زمانہ ہے جب برصغیر میں علامہ اقبال کی شاعری کا ستارہ عروج پر تھا اور ان کی شاعری نے سارے برطانوی ہند میں دھوم مچا دی تھی اور مسلمانوں کو بیدار کر دیا تھا اسی زمانے میں بانگ درا چھپ کر سامنے آئی ہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان کی شاعری کے دیگر مجموعے بھی عوام تک پہنچے ہیں۔

> اس 1924ء سے لے کر اب 2009ء تک 85 سال میں ہم مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیا کیا حاصل کیا ہے وہ عام انسانی تاریخ کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے اور ولولوں ، حوصلوں، قربانیوں اور عشق مصطفٰے ﷺ کی ایک لازوال داستان ہے۔

6۔ دوسری جنگ عظیم 1939ء--1945ء کے آخری سالوں میں برطانوی استعمار کمزور

پڑا گیا اور جنگ کے بے پناہ اخراجات کے بوجھ تلے معیشت نڈھال ہوگئی تو آزادی کی تحریکوں میں جان پڑ گئی اور یورپی استعمار نے عافیت اس میں سمجھی کہ مسلمان علاقوں کو آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ 1943ء میں لبنان آزاد ہوا (22 نومبر 1943ء) اس کے بعد شام (یکم جنوری 1944ء) پھر البانیہ 1944ء انڈونیشیا (17 اگست 1945ء) کو آزاد ہو۔ اور اس کے بعد برطانوی ہند میں تحریک آزادی عروج پر پہنچ گئی اور تاریخ انسانی کا ایک معجزہ رونما ہو گیا کہ مذہب کی بنیاد پر ملک تقسیم ہوا اور پاکستان بن گیا (14 اگست 1947ء)۔ اس کے بعد تو مسلم ممالک کی آزادی کی طویل فہرست ہے جو یکے بعد دیگرے آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔ 1943ء--1992ء کے دوران نصف صدی میں 55 مسلمان ممالک نے آزادی حاصل کی۔ سوویٹ روس جس نے کئی مسلمان ریاستوں کو دبا رکھا تھا 1990ء میں تحلیل ہو گیا تو بہت سی مسلمان ریاستوں کو آزادی کی نعمت حاصل ہوگئی۔

7۔ اس سیاسی آزادی کے ساتھ ابھی تک مغربی علمی اور تہذیبی تسلط کا پھندا ہمارے گلے میں ہے تاہم دنیا میں مسلمان مختلف انداز میں یورپی اور امریکی تسلط سے نکلنے کے لئے کوشاں ہیں

8۔ مسلمانوں نے کئی جنگوں (ستمبر 1965ء، دسمبر 1971ء، 1973ء کی مصر اسرائیل جنگ اور روس کا افغانستان پر قبضہ 1979ء) کے مواقع پر بے شمار قربانیاں دے کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک طاقت ہیں۔

9۔ عالمی سطح پر مسلمان اب بھی 38 ممالک میں اقلیت ہیں۔ سب سے بڑی آبادی جو ابھی تک اقلیت میں ہے وہ بھارت کے مسلمان ہیں جن کی تعداد 18 کروڑ ہے جہاں انہیں کسی قسم کے کوئی حقوق حاصل نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان اقلیتوں کو بھی جلد ہی آزادی کی نعمت عطا فرمائے کشمیر اور فلسطین کے مسلمانوں کی جدوجہد کو کامیاب فرمائے۔ آمین۔

10۔ 1910ء کی برطانوی عالمی طاقت جو ظالم یورپی استبدادی قوت تھا دوسری جنگ کے موقع پر وسائل کی کمی کی وجہ سے ختم ہو گیا اور اب اس کی حکومت برطانیہ تک محدود ہوگئی ہے اور تاج برطانیہ (جو مسیحی عالمی مشن کا نگران سیاسی عہدہ ہے) کی وجہ سے امریکہ اور مسیحی یورپ نے قائم رکھا ہوا ہے وگرنہ وہ بہت عرصہ پہلے ہی معدوم ہو چکا ہوتا۔

11۔ 1990ء میں روس جیسی عالمی طاقت بھی مسلمانوں ہی کی قربانیوں اور کوششوں سے ختم ہوگئی اور افغانستان وخراسان کا علاقہ اس کا قبرستان بنا اور اب امریکہ بھی یہیں آ پہنچا ہے کہتے ہیں جب بندر کی موت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے شاید جب کسی سپر پاور کا آخری وقت آتا ہے تو وہ افغانستان پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور یوں خراسان کا یہ علاقہ سیاسی ''برمودہ مثلث'' ہے جہاں عالمی طاقتیں آ کر سیاسی طور پر غرق ہو جاتی ہیں۔

12۔ ایٹمی طاقت ہونے کے اعتبار سے 7 ایٹمی ممالک تمام غیر مسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے خاص کرم فرمایا ہے کہ پاکستان کو مسلم ممالک میں سے معجزانہ طور پر ایٹمی طاقت بنا دیا ہے اور وہ ٹیکنالوجی بھی مغرب سے کہیں بہتر ہے۔

13۔ 2001ء کے بعد مغرب میں پھیلنے والا سب سے بڑا مذہب اسلام ہے اور خود یورپی اور امریکی اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو رہے ہیں اور اس کی قوت میں اضافہ کر رہے ہیں۔

14۔ تعلیم اور سائنس کے میدان میں مسلمان کسی سے پیچھے نہیں مسلمان حکومتیں زیادہ توجہ نہیں دیتیں تاہم یورپ اور امریکہ میں مسلمان تمام عالمی سائنسی اداروں میں اعلیٰ عہدوں پر ہیں اور سائنسی ترقی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

15۔ مسلمانوں میں غلبۂ اسلام کی تحریکیں آج کل عروج پر ہیں اور تقریباً تمام ممالک میں یکساں آگے بڑھ رہی ہیں کامیابی حاصل کر رہی ہیں سیکولر طبقات کو اگر مغرب اور امریکہ کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو یہ تحریکیں جلد ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔

16۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان ملکوں کے پاس وسائل کی کمی نہیں پٹرول، معدنیات، شمسی توانائی، زرعی علاقے، دریا، پہاڑ غرض اللہ تعالیٰ نے بہترین نعمتوں سے نوازا ہے۔

17۔ مالی وسائل کے اعتبار سے بھی مسلمان ملک اور مسلمان سربراہان مملکت کسی سے کم نہیں سعودی عرب، کویت، اور امارات کے شہزادے اربوں ڈالر فی کس زکواۃ نکالتے ہیں۔ چند ماہ پہلے امریکہ نے 300 ارب ڈالر سعودی عرب اور کویت کی حکومت سے خیرات (امداد) مانگی جو (غالباً) امریکہ کو مل چکی ہے۔

مگر یہی وسائل امریکہ کی کاسہ لیسی کی بجائے مسلم امہ کی فلاح و بہبود، مشترکہ منصوبے ،فوج، اسلحہ اور دیگر ضروریات پر خرچ ہونے کا وقت اب قریب آ رہا ہے۔

گزشتہ 85 سال میں مسلمانانِ عالم نے یہ کچھ حاصل کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہی فضل کرم سے ہوا ہے اور عام انسانی تاریخ سے موازنہ کریں تو یہ کامیابیاں بہت زیادہ ہیں قوموں کی تاریخ اور تہذیبوں کے عروج و زوال میں ایک صدی کا عرصہ کوئی بڑا عرصہ نہیں ہے ہمیں ان احسانات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور آئندہ اپنے لائحۂ عمل کو مزید قرآن وسنت کے مطابق بنانے کا عزم کرنا چاہیے ہر مسلمان کو اسلام کے غلبہ کے لئے اپنے اوقات اور وسائل خرچ کرنے کا عادی بنانا چاہیے اگر یہ ہو جائے تو ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب اگلے دو تین عشروں میں اسلام ساری دنیا پر غالب ہو چکا ہوگا اور مغرب ــــــــــــ مغربی تہذیب اور امریکہ سب قصۂ ماضی بن چکے ہوں گے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اس شمارے میں ماہانہ سیمیناروں کے سلسلہ میں حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے حالات زندگی ہیں اور دیگر کئی مضامین ہیں جو پچھلے شمارے میں جگہ نہ پا سکے تھے۔ 25 روزہ تربیت گاہیں ان شاء اللہ جون، جولائی میں ہوں گی سابقہ پروگراموں میں شریک حضرات کے تاثرات بھی قارئین کے حوصلوں کو بڑھانے کے لئے شامل اشاعت ہیں۔

مسلمانان پاکستان کا اتحاد
ایک حقیقت ـــــــ ایک خواب

انجینئر مختار فاروقی

قیام پاکستان کے بعد 1950ء میں مسلمانانِ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے اتحاد کا ایک دلکش منظر چشم فلک نے یہ دیکھا جب تمام مکاتب فکر کے 31 سربرآوردہ علماء کرام نے مملکت خداداد پاکستان کے معاملات کو اسلام کے مطابق چلانے کے لئے 22 نکات پر اتفاق کرلیا تھا۔

ان علمائے کرام کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں

1۔ مولانا سید سلمان ندوی صاحب 2۔ مولانا سید ابو اعلیٰ مودودی صاحب

3۔ مولانا بدر عالم صاحب 4۔ مولانا احتشا م الحق تھانوی صاحب

5۔ مولانا شمس الحق افغانی صاحب 6۔ مولانا عبد الحامد بد ایونی صاحب

7۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب 8۔ مولانا محمدادریس کاندھلوی صاحب

9۔ مولانا خیر محمد صاحب 10۔ مولانا مفتی محمد حسن صاحب

11۔ پیرمحمد امین الحسنات صاحب 12۔ مولانا محمد یوسف بنوری صاحب

13۔ حاجی محمد امین صاحب 14۔ مولانا عبدالصمد سربازی صاحب

15۔ مولانا اظهر علی صاحب 16۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب

17۔ علامه راغب احسن صاحب 18۔ پیر ابو جعفر محمد صالح صاحب

19۔ مولانا محمد علی جالندهری صاحب20۔ علامه دائود غزنوی صاحب

21۔ علامه جعفر حسین مجتهد صاحب22۔ علامه کفایت حسین مجتهد

23۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب 24۔ مولانا حبیب الله صاحب

25۔ مولانا احمد علی صاحب 26۔ مولانا محمد صادق صاحب

27۔ مولانا عبدالخالق صاحب28۔ مولانا شمس الحق فرید پوری صاحب

29۔مولا نا محمدمفتی صاحب داد30۔ مولانا ظفر احمد انصاری صاحب

31۔ پیر هاشم جان سرهندی صاحب

رحمهم الله وجزاهم الله عن جمیع المسلمین احسن الجزاء

اورجن 22 نکات پراتفاق رائے ہوا وہ بھی درج ذیل ہیں:

1۔ اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے اللہ رب العزت ہے۔

2۔ ملک کا قانون قرآن وسنت پرمبنی ہوگا اورکوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

3۔ یہ ملک کسی جغرافیائی،نسلی،لسانی یا کسی اور تصور پرنہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پرمبنی ہوگا جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

4۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب وسنت کے بنائے ہوئے معروفات کو قائم کرے،منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء واعلاء اور مسلّمہ اسلامی فرقوں کو ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری تعلیم کا انتظام کرے۔

5۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد واخوت کو

قوی سے قوی تر کرے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیاں عصبیت جاہلیہ کی بنیاد پر نسلی' لسانی' علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

6۔ مملکت بلا امتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی انسانی ضروریات یعنی غذا' لباس' مسکن' معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں' عارضی طور پر بے روزگاری' بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

7۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو' آزادی مذہب ومسلک' آزادی عبادت' آزادی ذات' آزادی اظہار رائے' آزادی نقل وحرکت' آزادی اجتماع' آزادی اکتساب رزق' ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادے کا حق۔

8۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کے سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

9۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانونی کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے انکے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان ہی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

10۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت'

تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنی شخصی معاملات کے فیصلے اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

11۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ے میں کیا گیا ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے

12۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

13۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا کسی جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

14۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی، یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سرانجام دے گا

15۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

16۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

17۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانون مؤاخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

18۔ ارکان وعمالِ حکومت اور شہری کے لئے ایک ہی قانون وضابطہ ہوگا۔ اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

19۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تا کہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

20۔ ایسے افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

21۔ ملک کے مختلف ولایات واقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ انتظامی علاقوں کی ہوگی، جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکزی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا، مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

22۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے

کہ آج ساٹھ سال بعد انہیں اکابر کے جانشین اور خلفاء ونائبین آج مسلمانانِ پاکستان کی بے حسی اور بے عملی کی کیفیت کا بچشم سر مشاہدہ کرنے کے باوجود متحد ہونے کی بجائے اختلافات کا شکار ہیں۔

اے کاش کہ آج

مدرسہ وخانقاہ کے وارثان اور اسلامی انقلاب کے داعیان 1950ء والے جذبے سے اکٹھے ہوکر اس ملک کو صحیح پٹڑی پر ڈال دیں اور ملک میں اسلام کے نفاذ اور سماجی، اقتصادی اور سیاسی سطح پر اسلامی تعلیمات پر صحیح معنی میں عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کرنے پر آمادہ ہوجائیں تو

اب بھی ہماری منزل ہمیں مل سکتی ہے

اور پاکستان واقعی قوت واخوتِ عوام

اور سایۂ ذوالجلال کا مظہر

بن سکتا ہے ــــــــــ یعنی ایک

جدید اسلامی جمہوری فلاحی مملکت

کی مثال بن سکتا ہے

اور دوسرے ممالک کے لئے ــــــــــ روشنی کا مینار

اے اللہ آپ نے یہ اتحاد پہلے بھی ایک حقیقت بنا دیا تھا

اب دوبارہ اس کو حقیقت بنا دے۔

ع خدایا ایں کرم بار دگر کُن

خودی اور فلسفۂ تاریخ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم)
کی کتاب ''حکمت اقبال'' کا ایک باب

تاریخ کے ناقص فلسفے

انسانی افراد اور جماعتوں کے افعال کے سلسلہ کو'' انسانی تاریخ '' کہتے ہیں لیکن کیا انسانی اعمال جن سے تاریخ کا تار و پود بنتا ہے کسی قاعدے یا قانون کے پابند ہیں۔ کیا ان کا کوئی مقصد ہے۔ کیا ان کی کوئی سمت یا کوئی منزل مقصود ہے اگر ہے تو وہ کیا ہے قومیں اور تہذیبیں کیوں ابھرتی ہیں کیوں مٹتی ہیں۔ کیا ان کے عروج و زوال کا کوئی اصول ہے۔ کیا کوئی قوم یا کوئی تہذیب ایسی بھی ہوسکتی ہے جو قوموں اور تہذیبوں کو مٹانے والے عوامل کی زد سے محفوظ رہ سکتی ہو اور ارتقائے عالم کی منزل مقصود ہو۔ اس قوم کے اوصاف اور امتیازات کیا ہوں گے کیا ہم ایسی قوم کو وجود میں لا سکتے ہیں۔ کیا ہم اپنے آپ کو ایسی قوم بنا سکتے ہیں۔ وعلی ھذاالقیاس بہت سے فلسفیوں نے جن میں ڈینی لیوسکی (DENILEVSKY)، شپنگلر (SPENGLER)، ٹائن بی (TOYNBEE)، اور سوروکن (SOROKIN) زیادہ مشہور ہیں اپنی بالعموم غیر معمولی اور غیر ضروری طوالت کی تصنیفات میں اس قسم کے بعض سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے جوابات مبہم اور غیر واضح اور الجھے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا کہ انسان کے اعمال انسان کی فطرت سے سرزد ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تک پہلے انسان کی فطرت کا ایک معقول اور صحیح نظریہ پیدا نہ کیا جائے، تاریخ کے واقعات کے

پیچھے جو قوانین قدرت کام کر رہے ہیں ان کو سمجھنا ممکن نہیں۔ تاریخ سب سے پہلے فرد انسانی کی فطرت کے اندر جنم لیتی ہے' فرد انسانی کے اعمال قوموں اور تہذیبوں کی تاریخ کی اکائی (UNIT) کی حیثیت رکھتے ہیں جب تک اس اکائی کو نہ سمجھا جائے ممکن نہیں کہ ہم ان بڑے بڑے مجموعوں کو سمجھ سکیں جو اس اکائی سے صورت پذیر ہوتے ہیں اور فرد انسانی کی فطرت کو سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شخصیت کی گاڑی کے ڈرائیور کو یعنی اس کے افعال کی اندرونی قوت محرکہ کو سمجھا جائے جب تک ہمیں اس قوت کا علم نہ ہو ممکن نہیں کہ ہم معلوم کر سکیں کہ وہ کون سا قانون قدرت ہے جو انسان کے اعمال کو ضبط میں رکھتا ہے اور ان کی سمت اور منزل معین کرتا ہے اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر حاوی ہے۔ فلسفہ خودی کی رو سے انسان کے اعمال کی قوت محرکہ سچے خدا کی محبت ہے اور یہی وہ قوت ہے جو افراد کو متحد کر کے ایک قوم کی شکل دیتی ہے۔ جب کوئی قوم سچے خدا سے محبت نہ کر سکے تو وہ اس کی بجائے کسی اور تصور کو جس کی طرف وہ حسن و کمال کے اوصاف منسوب کر سکتی ہو اپنا نصب العین بنا لیتی ہے اور پھر اسی سے محبت کرتی ہے اور اپنے سارے اعمال کو اس کی محبت کے تابع کر دیتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب وہ محسوس کرتی ہے کہ اس میں حسن و کمال کے اوصاف درحقیقت موجود نہیں وہ مجبور ہوتی ہے کہ اس کی محبت سے رجوع کرے یہاں تک کہ اسے بالکل ترک کر دے اور جب یہ نوبت آتی ہے تو قوم صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔

تاریخ عالم کے چار ادوار

تاریخ کے ان فلسفیوں کی ایک اور غلطی یہ ہے کہ انہوں نے انسانی تاریخ کو کائنات کی باقی تاریخ سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ انسانی تاریخ مجموعی تاریخ عالم کا ایک دور ہے جو اس کے پہلے ادوار سے بے تعلق نہیں ہو سکتا بلکہ ضروری ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہم آہنگ اور مسلسل ہو۔

ایچ جی ویلز (H.G.WELLS) نے اپنی عالمی تاریخ کی کتاب ''تاریخ کا خاکہ'' (OUTLINE OF HESTORY) کو بجا طور پر ابتدائے آفرینش سے شروع کیا ہے اور اس نے اپنے اس موقف کی تائید کے لئے فریڈرک راٹزیل (FRIEDRICH RATZEL) کا یہ نہایت ہی گہرا اور دانشمندانہ قول اپنی کتاب کے شروع میں نقل کیا ہے کہ ''نوع انسانی کی تاریخ

کا فلسفہ جو فی الواقع اس نام کا مستحق ہو اس یقین سے پُر ہونا چاہئے کہ ہستی تمام کی تمام ایک وحدت ہے۔ وہ ایک ہی تصور ہے جو شروع سے آخر تک یکساں رہنے والے ایک ہی قانون پر قائم چلا آتا ہے''۔ فلسفہ تاریخ کے متعلق یہ نقطۂ نظر بالکل درست ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتقائے عالم ایک واحد اور مسلسل عمل ہے جو شروع سے آخر تک ایک ہی مقصد رکھتا ہے اور ایک ہی منزل کی طرف بڑھتا جا رہا ہے اور جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں اس عمل کو حرکت دینے والی قوت بھی ایک ہی ہے اور وہ خدا کا ارادۂ تخلیق یعنی خود خدا ہے۔ اس عمل کا آغاز کائناتی شعاعوں سے ہوا تھا اور اس کے پہلے بڑے دور میں مادی کائنات ترقی پا کر تکمیل کو پہنچی تھی۔ کائنات کی مادی تکمیل کا مقصد یہ تھا کہ مادہ اس حالت کو پالے جو زندگی کے ظہور کے لئے سازگار ہو۔ چنانچہ مادہ کی تکمیل کے ساتھ ہی زندگی کا نمایاں ظہور سب سے پہلے ایک خلیہ کے حیوان میں ہوا اور اس واقعہ سے تاریخ عالم کا دوسرا بڑا دور شروع ہوا جس کے اختتام پر کائنات کی حیاتیاتی تکمیل عمل میں آئی۔ کائنات کی حیاتیاتی تکمیل کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا جسم حیوانی وجود میں آئے جس میں خدا کی محبت کا جذبہ اس کے سارے اعمال کی قوت محرکہ کے طور پر نمودار ہو چنانچہ زندگی کے کروڑوں برس کے ارتقاء کے بعد یہ جسم حیوانی وجود میں آیا اور یہی انسان ہے۔ پہلے انسان کے ظہور سے تاریخ عالم کا تیسرا بڑا دور شروع ہوتا ہے جسے انسانی تاریخ کا پہلا دور کہنا چاہئے۔ اس دور میں ارتقاء کی قوتیں' زمین کے گوشہ گوشہ میں ان گنت انبیاء پیدا کر کے انسان کی نظریاتی تکمیل کے لئے کارفرما رہیں۔ اس دور کا مقصد یہ تھا کہ آخر کار ایک نبی کامل یا رحمۃ للعالمین ﷺ کا ظہور ہو جس کی نظری تعلیم اور عملی زندگی کی مثال میں خدا کی محبت کا جذبہ انسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر حاوی ہو جائے اور جو اس طرح سے نوع انسانی کو ایک ایسا کامل نظریہ حیات بہم پہنچائے جو انسان کی اخلاقی' سیاسی' روحانی' تعلیمی' قانونی' اقتصادی' علمی اور فنی ترقیوں کو نقطۂ کمال پر پہنچا سکے۔

نبی کامل یا رحمت للعالمین ﷺ کے ظہور سے انسانی تاریخ کا دوسرا دور اور تاریخ عالم کا چوتھا اور آخری دور شروع ہوتا ہے اور وہ اس وقت ختم ہوگا جب نوع انسانی اپنے کمال کو پہنچے گی امت مسلمہ یا نبی کامل ﷺ کی امت تاریخ عالم کے تیسرے اور چوتھے ادوار یعنی تاریخ انسانی کے پہلے اور دوسرے ادوار کے وسط میں نمودار ہوئی ہے تا کہ وہ نوع انسانی کی قیادت کی صلاحیتوں

سے بہرور ہو سکے تا کہ ایک طرف سے وہ نبی کامل ﷺ کی وساطت سے تمام گذشتہ انبیاء کی تعلیمات کے کمال کی حامل بن جائے اور دوسری طرف سے اپنے اس امتیاز کی وجہ سے نوع انسانی کی آنے والی نسلوں کے لئے اسی طرح سے کامیاب راہ نما بنے۔(لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ)جس طرح سے نبی کامل ﷺ اس کے کامیاب راہ نما بنے ہیں(وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا) اس لئے قرآن مجید نے امت مسلمہ کو امۃً وسطاً کہا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تاریخ عالم کے چار واقعات نہایت ہی عظیم الشان ہیں۔ایک تو وہ جب تخلیق عالم کا آغاز ہوا اور کائناتی شعاعیں یکا یک ''فاصلہ۔وقت'' کے ایک بحر ناپیدا کنار کے اندر دوڑنے لگیں۔دوسرا وہ جب سمندروں کے کنارے کیچڑ میں کہیں پہلا ایک خلیہ کا جاندار نمودار ہوا۔تیسرا وہ جب پہلا مکمل جسم انسانی اپنے پہلو میں خدا کی محبت کا ایک طوفان لے کر ظہور پذیر ہوا اور چوتھا وہ جب ایک رحمۃ للعالمین ﷺ کی نظری تعلیم اور عملی زندگی کے نمونہ میں وہ مکمل نظریہ زندگی نمودار ہوا جو اپنے اندر انسان کو اس کی ہر نوع کی ترقی کے نقطۂ کمال تک پہنچانے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ان میں سے ہر واقعہ ایک دور کا آغاز کرتا ہے جو اگلے دور کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور اس کی آمد کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے یہاں تک کہ آخری دور آجاتا ہے۔لہٰذا انسانی ادوار کی تاریخ حیاتیاتی اور مادی ادوار سے بے تعلق نہیں۔

کارل مارکس(KARL MARX) نے بھی ایک فلسفہ تاریخ دیا ہے۔لیکن افسوس ہے کہ اس کا فلسفہ تاریخ فطرت انسانی کے غلط نظریہ پر مبنی ہے اور ارتقائے عالم کے بنیادی سبب کو بھی نظر انداز کرتا ہے لہٰذا وہ از سرتا پا غلط ہو کر رہ گیا ہے۔

خودی کی تکمیل اور انسان کا شاندار مستقبل

کیا انسان فی الواقع اپنے حسن وکمال کی انتہا کو پہنچے گا؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ اقبال کہتا ہے یہ سوال ہم سے نہ پوچھو بلکہ معنی آدم یعنی انسان کی فطرت پر نگاہ ڈالو۔جس میں حسن و کمال خداوندی کے محبت کا ایک بے پناہ ناقابل التوا اور ناقابل مزاحمت جذبہ رکھ دیا گیا۔یہ جذبہ ہر حالت میں اپنی تشفی پا کر رہے گا اور جب تشفی پائے گا تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوگا کہ انسان خدا کی محبت یعنی تفکر فی الصفات (عبادت)اور حسن عمل کے ذریعہ سے صفات

خداوندی کے حسن کو جذب کر کے اپنے حسن کی انتہا تک پہنچے گا۔اس وقت انسان جواب اپنے گونا گوں نقائص کی وجہ سے مصرع ناموزوں کی طرح دلوں میں کھٹک رہا ہے۔ان نقائص سے پاک ہو کر مصرعہ موزوں کی طرح حسین اور دل کش ہو جائے گا۔اس وقت اس کی مشت خاکہ فرشتوں سے بھی زیادہ مقدس اور منور ہو جائے گی اور اس کی تقدیر کا کوکب سعادت زمین کو اخلاقی' علمی' جمالیاتی اور روحانی طور پر بلند اور روشن کر کے گویا آسمان کا مقام دے گا۔

فروغ مشت خاک نوریاں از افزوں شود روزے
زمین از کوکب تقدیر او گردوں شود روزے
یکے در معنی آدم نگر از ما چہ می پرسی
ہنوز اندر طبیعت مے خلد موزوں شود روزے

غلط نظریات کا منبع بھی خودی ہے

اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ کسی فرد انسانی یا گروہ کا نصب العین حیات یا تصور حسن اس کے تمام اعمال وافعال کو پیدا کر کے ان کو اپنے گرد منظّم کرتا ہے۔

آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر اعمال را شیرازہ بند

جب کوئی فرد یا گروہ اپنے نصب العین کو اپنی قدرتی عملی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر چسپاں کرتا ہے اور ان کو اپنے نصب العین کے تقاضوں کے مطابق بناتا ہے تو ایک خاص نظریہ زندگی وجود میں آتا ہے جو اس نصب العین پر مبنی ہوتا ہے۔اس وقت نوع انسانی کی حالت یہ ہے کہ ان کے نصب العین یا تصورات حقیقت یا تصورات حسن بہت سے ہیں اور اس کی کثرت کی وجہ سے وہ بہت سی نظریاتی جماعتوں میں بٹی ہوئی ہیں جن میں صرف امت مسلمہ ایسی ہے جس کا نظریہ خدا کے عقیدہ پر مبنی ہے لیکن بظاہر اس کی حالت ایسی نہیں جس سے ایک عام انسان یہ نتیجہ اخذ کر سکے کہ وہ نظریاتی ارتقاء کا مقصود ہو گی باقی نظریاتی جماعتیں جو نہایت طاقتور ہیں خدا کے عقیدے سے محض بے تعلق ہیں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا ہی انسان کی منزل مقصود ہے اور تمام نظریاتی جماعتوں پر غالب آ کر دنیا میں پھیل جانے والی نظریاتی جماعت خدا پرستوں کی ہی جماعت ہو گی تو

یہ بے خدا نظریاتی جماعتیں کہاں سے وجود میں آ گئی ہیں اور نظریاتی ارتقاء یا عمل تاریخ میں ان کا کردار کیا ہے۔ نظریاتی ارتقاء یا عمل تاریخ جو انسان کو اس کی حسن وکمال کی انتہا تک پہنچائے گا۔ ان جماعتوں کی موجودگی میں فی الواقع کیا صورت اختیار کرے گا اور کس طرح سے انجام پائے گا۔ اقبال کے نزدیک ان سوالات کا جواب بھی معنی آدم یا انسان کی فطرت یا (اقبال کی زیادہ پسندیدہ اصطلاح کو کام میں لاتے ہوئے) انسانی خودی کی فطرت سے پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ انسان کے اعمال وافعال سے بنتی ہے اور تمام انسانی اعمال وافعال انسان کی فطرت یا اس کی خودی کے منبع سے سرزد ہوتے ہیں لیکن انسانی خودی کے اندر خدا کی محبت کے سوائے اور کچھ نہیں اور انسان کے اعمال وافعال کی صورت میں جو کچھ اس سے باہر آتا ہے بمصداق ''از کوزہ ہماں تراود کہ دراوست'' وہ خدا ہی کی محبت کا شعوری یا غیر شعوری اظہار ہوتا ہے اور خدا ہی کی بالواسطہ یا بلاواسطہ محبت کی ایک صحیح یا غلط عملی شکل ہوتی ہے۔

مرا زخود برون رفتن محال است
بہر رنگے کہ ہستم خود پرستم

خودی کی فطرت کے تقاضے کبھی بہک جاتے ہیں اور کبھی اپنی سیدھی راہ پر ہوتے ہیں لیکن انسان کی عملی زندگی میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے وہ بے خدا نظریات ہوں یا باخدا نظریات وہ سب خودی کی فطرت سے پیدا ہوتے ہیں اور خودی کے مدارج اور مقامات ہوتے ہیں زندگی خودی کے اشاروں پر چلتی ہے اور اس کی فطرت کی ترجمانی اور تشریح کرتی ہے۔ نصب العین صحیح ہو یا غلط وہ ہر حالت میں خودی کا ہی نصب العین ہوتا ہے اور خودی کے ہی کسی مقام کا پتہ دیتا ہے جو شخص خدا کا منکر ہے اور کسی غلط نصب العین سے اپنا دل لگائے ہوئے ہے وہ خودی کے ایک مقام پر ہے اگرچہ اس کا یہ مقام نہایت ہی پست ہے اور جو شخص خدا کو مانتا ہے اور خدا کو اپنا نصب العین قرار دیئے ہوئے ہے وہ خودی کے دوسرے مقام پر ہے اگرچہ اس کا یہ مقام نہایت بلند و بالا ہے لہٰذا انسانی خودی کے اشارات بامطالبات کی عملی تشریح یا تصنیف کے سوائے اور کچھ نہیں۔

زندگی شرح اشارات خودی است
لا والا از مقامات خودی است

یہاں لا سے مراد خدا کا انکار اور غیر اللہ کا اثبات یعنی غلط نظریات اور الا سے مراد ہے خدا کا اثبات اور غیر اللہ کا انکار (یعنی صحیح نظریہ حیات)۔

خودی کے جذبہ محبت کی ایک خصوصیت

خودی براہ راست اور شعوری طور پر خدا سے محبت کرنا چاہتی ہے لیکن خدا کی ایسی محبت فقط کسی شخص سے یہ بات سن لینے اور یاد رکھ لینے سے پیدا نہیں ہوتی کہ خدا تمام صفات حسن کا مالک ہے اور محبت کے قابل ہے بلکہ خدا کے حسن کا ذاتی احساس کرنے سے پیدا ہوتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خدا کی محبت خدا کے ذاتی حسن کے احساس کا ہی نام ہے اور احساس کے بغیر خدا کی محبت کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اقبال کے الفاظ میں خدا کی محبت شنید نہیں بلکہ دید ہے یعنی وہی شخص خدا سے محبت کر سکتا ہے جو خدا کے حسن کا ذاتی احساس رکھتا ہے۔ اقبال شنید کے لئے خبر اور دید کے لئے نظر کی اصطلاحات کام میں لاتا ہے۔ عقل فقط خبر مہیا کرتی ہے لیکن با خدا لوگوں کی محبت سے اور صحیح قسم کے نظریاتی ماحول سے نظر حاصل ہوتی ہے۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اگر بدقسمتی سے خودی کا نظریاتی یا تعلیمی ماحول ایسا ہو کہ وہ خدا کی صفات حسن کے مشاہدہ میں رکاوٹ پیدا کرے اور خدا کے حسن کے احساس کی نشو ونما نہ کر سکے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خودی کا جذبہ محبت رک جائے گا اور پھر خودی کسی نصب العین کی محبت کے بغیر ہی رہے گی۔

لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ خودی کا جذبۂ محبت رک نہیں سکتا بلکہ کسی اور ناقص نصب العین کو جو فرد کے علم اور احساس کی پستیوں سے مناسبت رکھتا ہو خدا سمجھ کر اپنا لیتا ہے۔ خودی کا جذبہ محبت ایک تیز رفتار دریا کی طرح ہے کہ جب وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے اپنی اصلی گزرگاہ پر نہ چل سکے تو پھر رکتا نہیں بلکہ اپنی راہ سے ہٹ کر اس راستہ پر بہنے لگتا ہے جو آسان یا پست ہونے کی وجہ سے اسے بہنے کا موقع دیتا ہے اور اس طرح سے ایک غلط سمت کی طرف چل نکلتا ہے اور راستہ میں آبادیوں کو تباہ کرتا چلا جاتا ہے خودی کی محبت کا سیل رواں بھی جب کسی نظریاتی یا جذباتی رکاوٹ کی وجہ سے اپنے صحیح نصب العین یعنی خدا کی طرف جو منتہائے حسن وکمال ہے راہ نہیں پاتا تو کسی

دوسرے نصب العین کی طرف بہ نکلتا ہے جس کی طرف وہ راہ پا سکتا ہے جب کوئی انسان خدا کے حسن کا احساس نہ کر سکے تو پھر جس قدر تصورات اس کے دائرۂ علم میں ہوتے ہیں ان میں سے جس تصور کو بھی وہ اپنی سمجھ کے مطابق سب سے زیادہ حسین سمجھتا ہے اسی کو اپنے جذبہ محبت کو مطمئن کرنے کی ضرورت سے مجبور ہو کر اپنا نصب العین بنالیتا ہے۔ اگر چہ ضروری ہے کہ خدا کا تصور نہ ہونے کی وجہ سے وہ نصب العین حسن و کمال کی صفات سے عاری ہو۔ تاہم اس طرح سے وہ اپنی محبت کے بہاؤ کو راستہ دیتا ہے۔ اس حقیقت سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اقبال نے جو خودی یا زندگی کو ایک تیز رفتار ندی سے تشبیہ دی ہے وہ کس قدر موزوں ہے۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
لرزتی سرکتی چھلکتی ہوئی
ذرا دیکھ اسے ساقی لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

اعصابی امراض کی جڑ

اگر کوئی شخص خدا کے حسن کے احساس سے محروم ہو اور اس کا جذبہ محبت کسی اور غلط نصب العین کی محبت میں بھی اظہار نہ پا سکے یعنی اس کے دائرۂ علم میں کوئی ایسا تصور موجود نہ ہو جو اس کے لئے اتنی کشش یا جاذبیت رکھتا ہو کہ وہ اس کی طرف تمام صفات حسن کو شعوری یا غیر شعوری طور پر منسوب کر سکے تو وہ ہسٹریا، جنون، ذہنی مجادلہ اور ایسے ہی دوسرے ذہنی امراض کا شکار ہو جاتا ہے اور جب تک وہ کوئی ایسا تصور نہ پائے جس سے وہ صحیح طور پر یا غلط طور پر مطمئن ہو اور جو اس بنا پر اس کے جذبہ محبت کو راستہ دے سکے' وہ بدستور ان تکالیف میں مبتلا رہتا ہے اس لحاظ سے انسان میں خدا کی محبت کا جذبہ اس کی بھوک یا غذا کی خواہش سے مشابہت رکھتا ہے اگر کسی شخص کو شدت کی بھوک لگی ہو اور اس کو عمدہ' صحت بخش اور خوش ذائقہ غذا میسر نہ آ سکے تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ اسے جو غذا بھی مل سکے اسی سے اپنا پیٹ بھرے سخت قحط کے زمانہ میں اچھے بھلے باذوق انسان درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے جب کوئی انسان خدا کی معرفت سے محروم ہو تو وہ کسی ایسے نصب العین کو اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے جو غلط اور ناقص ہونے کے باوجود

اس کی کم علمی اور نادانی کی وجہ سے اس کے لئے کشش کا باعث ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں اسے اپنی ایک شدید نفسیاتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی نہ کسی تصور کی طرف حسن منسوب کرنا پڑتا ہے خواہ اس میں حسن کی کوئی صفت موجود ہو یا نہ ہو۔ اگر انسان کو اچھی خوراک کبھی نصیب نہ ہوئی ہو تو وہ گھٹیا خوراک ہی میں لذت محسوس کرتا ہے۔

غلط نصب العین کی ناپائیداری کا سبب

جب ایک انسان خدا کے علاوہ کسی اور تصور کو اپنا نصب العین بناتا ہے تو وقتی طور پر اسے حسن و کمال کی انتہا سمجھتا ہے لیکن اس کی خدمت اور اطاعت کے دوران جب وہ اسے قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ پاتا ہے یا جب اس کا دائرہ علم وسیع تر ہو جاتا ہے اور اس سے بہتر اور خوب تر تصورات اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے نقائص سے باخبر ہو کر اس کو ترک کر دیتا ہے اور پھر کسی نئے غلط تصور کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اسے بھی ناقص پاتا ہے تو اسے بھی ترک کر دیتا ہے وہ کسی ناقص محبوب سے محبت نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی فطرت کا جذبہ محبت ایک ایسے محبوب کے لئے بنایا گیا ہے جس کا حسن کامل بے عیب اور لازوال ہے اقبال انسانی خودی کی اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ے ہر نگارے کے مرا پیش نظر مے آید
خوش نگاریست وے خوشتر ازاں مے بالیست

ے چو نظر قرار گیرد بنگار خوبروئے
تپید اں زمان دل من پے خوبتر نگارے
طلبم نہایت آں کہ نہایتے ندارد
بنگاہ ناشکیبے بدل امیدوارے

قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک قصہ میں فطرت انسانی کے اس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا نے

انہیں شروع سے ہی ہدایت دے رکھی تھی اور وہ شروع سے ہی موحد تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (21-51)

''ہم نے ابراہیم کو پہلے سے ہی ہدایت دے رکھی تھی اور ہم اس بات کو خوب جانتے تھے''

وہ چاہتے تھے اپنی ستارہ پرست مشرک قوم پر یہ بات واضح کریں کہ ان کے معبود سب ناقص ہیں اور انسان کی محبت کے لائق نہیں۔ انسان کی محبت کے لائق صرف ایک ایسی ہستی ہی ہو سکتی ہے۔ جس کے حسن کی کوئی حد نہ ہو جو ہر نقص سے مبرا اور ہر عیب سے پاک ہو ایسا معبود سوائے خالق ارض وسما کے اور کوئی نہیں ہوسکتا لہٰذا انہوں نے اپنی قوم کو مؤثر طریق سے وعظ و نصیحت کرنے کے لئے یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ جب ایک ستارہ کو افق پر چمکتے ہوئے دیکھا تو لوگوں کو کہا کہ یہ میرا رب ہے کیونکہ یہ روشن اور بلند ہے اور اس میں حسن ہے لیکن جب وہ ڈوب گیا اور اس کے حسن کی ناپائیداری آشکار ہوگئی تو کہا کہ میں کسی ڈوبنے والے سے محبت نہیں کرسکتا۔ نقص اور محبت جمع نہیں ہو سکتے (لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا) پھر جب چاند نکلا تو اسے اپنا خدا بتایا کہ اس کا حسن ہر ستارے سے بڑھ چڑھ کر ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو اسے بھی ناقص قرار دے کر ترک کر دیا۔ اس کے بعد جب سورج طلوع ہوا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے کیونکہ وہ بڑا ہے اور اس کا حسن ستارے چاند دونوں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ میں ایسی ہستی کو اپنا محبوب اور معبود بناتا ہوں جو سورج، چاند اور ستاروں کا خالق ہے۔ ضروری ہے کہ اس کا حسن ان سب سے فائق ہو کہ خالق ہے اور یہ سب اس کی مخلوق ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ایک انسانی فرد کے لیے کامل سے کامل تر نصب العین کے اختیار کرنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے ــــــــــــ یہاں تک کہ وہ اس سوسائٹی کے نصب العین تک پہنچ جاتا ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے اور جس کا وہ ایک فرد ہوتا ہے۔ یہ سوسائٹی اس کے لئے ایک ایسا تعلیمی ماحول پیدا کر چکی ہوتی ہے کہ اس کا نصب العین اس سوسائٹی کے نصب العین سے آگے نہیں جا سکتا اور بہتر اور بلند تر نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کا نصب العین اسی صورت میں بدلتا ہے جب پوری سوسائٹی کا نصب العین بدل جائے یا جب وہ سوسائٹی سے بغاوت کر کے خود ایک نیا نصب العین پیش کرے اور لوگوں کو انقلاب کی دعوت دے۔

حقیقت کفر کا تجزیہ

ظاہر ہے کہ چونکہ خودی صرف ایک ایسے محبوب سے محبت کر سکتی ہے جو خدا کی صفات رکھتا ہو لہٰذا اس انسان کے ساتھ جو خدا کے بجائے کسی اور کو اپنا محبوب بنانے پر مجبور ہوتا ہے جو ماجرہ پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے غلط اور ناقص محبوب کے اندر اسے غلطی سے خدا کی بعض صفات کی جھلک صاف نظر آتی ہے اور وہ ان صفات کو شعوری طور پر اور سوچ سمجھ کر اس کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور ایسا کرنے کے بعد وہ فرض کر لیتا ہے کہ اس میں وہ تمام صفات موجود ہیں جن کا وہ متمنی ہے اور وہ جو خدا کی صفات ہیں تا کہ اپنی غلطی کو مکمل کر کے اپنے نا قابل التواء اور نا قابل انسداد جذبہ محبت کو مطمئن کرے۔ گویا وہ خدا کی باقی ماندہ صفات کو جن کو وہ اس محبوب کی طرف شعوری طور پر منسوب نہیں کر سکتا غیر شعوری طور پر منسوب کر دیتا ہے لہٰذا وہ اسے ایک خدا بنا لیتا ہے جس کے ساتھ وہ اسی طرح محبت کرتا ہے جس طرح سچے خدا کے ساتھ محبت کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے انسان کی فطرت کے اس پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (2-165)

''اور انہوں نے خدا کو چھوڑ کر مقابل کے معبود بنا لئے ہیں جن سے وہ ایسی ہی محبت کرتے ہیں جو انسانی فطرت کی رو سے خدا کے لئے ہونی چاہئے اور وہ لوگ جو دولت ایمان سے بانصیب ہیں خدا سے شدید محبت کرتے ہیں''

خدا کو چھوڑ کر کسی غلط اور ناقص محبوب کو اختیار کرنا ایسی غلطی نہیں ہوتی جس سے بآسانی نجات مل جائے بلکہ انسان اس غلطی پر جما رہتا ہے اس کی خودی اپنے نصب العین کے ساتھ اس طرح سے پیوست ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اور اس کا نصب العین ایک ہی ہیں لہٰذا وہ اپنے نصب العین کے خلاف آسانی سے کوئی دلیل نہ سن سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔

غلط نظریاتی جماعت کی توسیع، تنظیم اور موت

پھر غلط نصب العین کا ماننے والا اپنے غلط نصب العین کی محبت کو اپنی اولاد میں ایک قسم کے نظریاتی توالد کے ذریعہ سے براہ راست منتقل کرتا ہے اور پھر اس کی اولاد اپنی اولاد اور اس

طرح سے ایک نوع حیوانی کی طرح جو حیاتیاتی اور جسمانی توالد کے ذریعہ سے بڑھتی اور پھیلتی ہے ایک ہی نصب العین کو ماننے والے افراد نفسیاتی یا نظریاتی توالد کے ذریعہ سے ایک عرصہ تک بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ایک بہت بڑی جماعت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر اس جماعت کے اندر ایک تنظیم پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایک ریاست کی شکل میں آ جاتی ہے۔ اس وقت دنیا میں جتنی ریاستیں ہیں ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی نصب العین حیات کو ماننے اور چاہنے والوں کی ایک جماعت ہے جو سیاسی طور پر منظّم ہو گئی ہے۔ جب کسی ریاست کا نصب العین حیات غلط ہو تو اس کا وجود اس نصب العین کی پرستار ریاست کی حیثیت سے پائیدار نہیں ہوتا۔ ممکن ہے وہ ایک ہزار سال تک اسی نصب العین پر قائم رہے لیکن آخر کار ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب اسے اس نصب العین کو ترک کرنا پڑتا ہے جب یہ وقت آتا ہے تو وہ ریاست مٹ جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ دوسری ریاست وجود میں آ جاتی ہے۔

غلط نظریاتی جماعت کی موت کے اسباب

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی ریاست کا نصب العین غلط ہو تو وہ غلط قسم کے اخلاقی، اقتصادی، قانونی، تعلیمی، علمی، فوجی، مذہبی، جمالیاتی اور اطلاعاتی حالات پیدا کرتا ہے جو ہماری آرزوئے حسن کے مطابق نہیں ہوتے اور جن کو ہم آخر کار ناپسند کرتے ہیں وہ ہمیں نصب العین کے ناقص ہونے کا پتہ دیتے ہیں اور اس طرح سے ہمیں نصب العین سے نفرت کرنے اور بالآخر اسے ترک کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایک ریاست کے تمام اعمال و افعال اس کے نصب العین سے سرزد ہوتے ہیں۔ ایک نصب العین کی محبت فقط ایک قلبی یا ذہنی کیفیت نہیں ہوتی بلکہ ایک بے پناہ قوت عمل ہوتی ہے جو فرد اور جماعت کے تمام افعال کو معین کرتی ہے اور اس کی زندگی کے تمام حالات کو پیدا کرتی ہے یا ان کو بدل کر نصب العین کے برابر کرتی ہے۔

آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر اعمال را شیرازہ بند

لہٰذا ایک منظّم جماعت یا ریاست کا نصب العین اس کی زندگی کے حالات کے اندر اس طرح سے منعکس ہو جاتا ہے جس طرح سے ایک آئینہ کے اندر اس کے سامنے کی دنیا، اس کی عملی

زندگی جو اس کی سیاسی، تعلیمی، فوجی، اخلاقی، مذہبی، علمی، جمالیاتی، قانونی، اقتصادی اور اطلاعاتی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتی ہے اس کے نصب العین کی ہو بہو تصویر ہوتی ہے جو اتنی ہی زیبا یا زشت ہوتی ہے جتنا کہ وہ نصب العین جس سے وہ پیدا ہوتی ہے لہٰذا جب ایک قوم کا غلط نصب العین اس کی عملی زندگی کی بدنما تصویر کی صورت میں اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کے نقائص سے واقف ہو جاتی ہے اور اس سے نفرت کرنے لگتی ہے۔

ایک فرد کی طرح غلط نصب العین پر قائم ہونے والی ایک نظریاتی جماعت بھی اپنے نصب العین کی طرف حسن کی چند صفات شعوری طور پر اور باقی صفات غیر شعوری طور پر منسوب کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فرد ہی کی طرح اپنی تمام جدوجہد کو حسن کی ان صفات کے عملی اور خارجی اظہار پر صرف کرتی ہے جن کو وہ اپنے نصب العین کی طرف شعوری طور پر منسوب کرتی ہے اور باقی تمام صفات حسن کو نظر انداز کرتی ہے لیکن یہی بات کہ وہ حسن صداقت اور نیکی کی بعض صفات کو نظر انداز کرتی ہے، اس کے لئے ناممکن بنا دیتی ہے کہ وہ ان صفات حسن کو اپنی عملی اور خارجی زندگی میں کامیابی کے ساتھ اجاگر کر سکے جن کی موجودگی وہ اپنے نصب العین میں شعوری طور پر محسوس کرتی ہے اور جن کو وہ عملی طور پر نظر انداز کرنا نہیں چاہتی چونکہ وہ حسن کے بہت سے تقاضوں کی طرف سے عملاً بے پرواہ رہتی ہے وہ حسن کے ان چند تقاضوں کو بھی جن کی وہ پرواہ کرتی ہے آزادی اور عمدگی اور کامیابی کے ساتھ پورا نہیں کر سکتی۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایک غلط نصب العین کی فطرت اس قسم کی ہوتی ہے کہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو قوم بھی اسے اپنائے اس کے حالات ایک خاص مدت کے بعد قوم کی ساری کوششوں کے باوجود دن بدن بگڑتے چلے جائیں یہاں تک کہ وہ بالکل تباہ و برباد ہو جائے۔ غلط نصب العین کی پرستار ریاست کی بربادی کا سامان اس کے نصب العین کی فطرت کے اندر ہی موجود ہوتا ہے لہٰذا ایسی ریاست کا آشیانہ شاخ نازک پر ہوتا ہے اور وہ اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرتی ہے اس بنا پر اقبال عصر جدید کی لادینی تہذیب کے علمبرداروں سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

ایسی ریاست کی ناپائیداری کی وجہ یہ ہے کہ ہر غلط نصب العین یہ چاہتا ہے کہ حسن نیکی اور صداقت کے صرف چند تقاضوں کو پورا کر کے باقی تقاضوں کو نظر انداز کر دے حالانکہ حسن نیکی اور صداقت کا کوئی تقاضا ان کے دوسرے تقاضوں کی مدد اور اعانت کے بغیر پورا نہیں کیا جاسکتا۔ سارا حسن خدا کی ذات ہے اور حسن میں نیکی اور صداقت اور خداوند تعالیٰ کی تمام صفات جلال و جمال شامل ہیں چونکہ حسن ایک وحدت ہے اور اس کا اکتساب اور تتبع ایک وحدت ہی کے طور پر کیا جاسکتا ہے ورنہ بالکل نہیں کیا جاسکتا۔ حسن نہ تو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے ایک حصہ کو چھوڑ کر دوسرے حصہ کو حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً سیاسی مساوات جسے جمہوریت کہتے ہیں یا اقتصادی مساوات جسے اشتراکیت کہتے ہیں دونوں خدا کی صفت عدل کے مظاہر ہیں لہٰذا دونوں میں سے کوئی مساوات بھی ایسی نہیں جسے کوئی انسانی جماعت خدا کی محبت کی تربیت اور ترقی کے بغیر یا خدا کی محبت سے بے نیاز ہو کر مکمل اور مستقل طور پر حاصل کر سکے۔

غلط نظریاتی جماعت کے عروج و زوال کا عمل

تاہم قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کے حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ غلط نصب العین کی پیروی کا وہ عمل جس کے نتیجہ کے طور پر بالآخر ایک قوم جس کا کاروبار زندگی اس غلط نصب العین پر قائم ہو چکا ہو، اپنے نصب العین کی خامیوں اور برائیوں سے آگاہ ہو کر اسے چھوڑ دیتی ہے اتنا طویل ہوتا ہے کہ آٹھ دس صدیوں کہ عرصہ میں پھیل جاتا ہے۔ شروع شروع میں اس کے چاہنے والوں کی امیدیں بلند ہوتی ہیں ان کی محبت تازہ اور شگفتہ اور پرخلوص اور دلیر ہوتی ہے اور وہ ہر ممکن جدوجہد کرتے ہیں کہ جو حسن وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اسے جہان رنگ و بو میں آشکار کر کے دکھائیں اس سے ان کی محبت اور بھی ترقی پاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نصب العین کی ہر قسم کی فتوحات بڑھتی چلی جاتی ہیں اور اس کا دائرہ اثر و نفوذ پھیلتا چلا جاتا اور نصب العین کی قوت اور شوکت ترقی کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے عروج کے اس انتہائی نکتہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اپنی بالقوہ صلاحیتوں کی وجہ سے پہنچ سکتا ہے۔ قدرت کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ ہر قوم کو خواہ اس کا نصب العین صحیح ہو یا غلط اپنی صلاحیتوں کی حد تک بڑھنے اور پھولنے کے تمام مواقع بہم

پہنچاتی ہے اور ہر قوم زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر سمت میں جس قدر اس کے نصب العین کی فطرت اسے ترقی کا موقعہ دے سکتی ہے ترقی کرتی ہے ۔غلط نصب العینوں کی عارضی ترقی کا سبب یہی ہے۔قرآن حکیم نے اس قانون قدرت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هَٰٓؤُلَآءِ وَهَٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

''ہم سب کی مدد کرتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی یہ آپ کے پروردگار کی مہربانی ہے اور آپ کے پروردگار کی مہربانی محدود نہیں''

لیکن رفتہ رفتہ جب ان کے غلط نصب العینوں کے نقائص آشکار ہونے لگتے ہیں تو ان کی محبت میں بھی زوال آنے لگتا ہے۔وہ اب بھی اس کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں لیکن اب اس کے لئے ان کی ستائش کا جذبہ کمزور اور ان کے عمل کا جوش سرد ہونے لگتا ہے لہٰذا نصب العین کی قوت اور شوکت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اور اس کے مداحوں اور عاشقوں کی محبت بھی اسی نسبت سے گھٹتی جاتی ہے اور پھر وہ اپنی زندگی میں نصب العین کی محبت کے خلاء کو پُر کرنے کے لئے عیش و عشرت اور تماشہ اور تفریح کی طرف رجوع کرتے ہیں جس نسبت سے نصب العین کے ساتھ ان کی محبت کم ہوتی جاتی ہے اسی نسبت سے عیش وعشرت کی طرف ان کی رغبت بڑھتی جاتی ہے اور یہ رغبت ان کی محبت کو اور کمزور کرتی جاتی ہے۔عیش وعشرت سے قوم کی رغبت اس کے زوال کا سبب نہیں بلکہ اس کا نتیجہ ہوتی ہے۔لہٰذا جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ قوم کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ رہا ہے اور اس کی اجل قریب ہے۔غلط نصب العینوں پر قائم ہونے والی نظریاتی جماعتوں کی تقدیر یہی ہوتی ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

قرآن حکیم نے ایسی ہر جماعت کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَاجَآءَ اَجَلُهُمْ لَايَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُوْنَ

''خدا نے ہر کافر قوم کے لئے زندگی کی ایک مدت مقرر کر رکھی ہے جب یہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو پھر ان کی موت ایک لمحہ کے لئے بھی آگے یا پیچھے نہیں ہوتی''

ایسے موقع پر کسی بیرونی دشمن کا کچل دینے والا کا حملہ یا کسی اندرونی دشمن کی کامیاب بغاوت اس کے ختم ہونے کا ظاہری سبب بن جاتی ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو ایک نئے نصب العین کو چاہنے والی ایک نئی قوم اس کی جگہ لے لیتی ہے اگر اس نئی قوم کا نصب العین بھی غلط ہو تو آخر کار اس کا حشر بھی وہی ہوتا ہے اور یہ وہ عمل ہے جس سے قومیں اور تہذیبیں جن میں سے ہر ایک کسی نصب العین پر مبنی ہوتی ہے انسانی تاریخ کے اسٹیج پر نمودار ہوتی ہیں ترقی کرتی ہے اپنی شان وشوکت کی انتہا تک پہنچتی ہے اور پھر روبہ زوال ہو کر آخر کار مٹ جاتی ہیں اور نئی قومیں اور تہذیبیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں جو اپنی باری پر پھر تاریخ کے اسی عمل کو دہراتی ہیں۔

قوموں کے عروج وزوال کی آخری منزل

جب کوئی قوم اپنے غلط نصب العین کو اس کے نقائص کی وجہ سے ترک کرنے پر مجبور ہوتی ہے تو کوشش کرتی ہے کہ نیا نصب العین جو وہ اختیار کرے پہلے نصب العین کے نقائص سے پاک ہو لیکن چونکہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ صحیح نصب العین کیا ہے؛ اس لئے اس نئے نصب العین کے اندر اور نقائص موجود ہو جاتے ہیں جو پہلے نصب العین میں نہیں تھے اگر چہ ہر نصب العین حق وباطل اور حسن وغیر حسن کے امتزاج سے بنتا ہے لیکن ہر نیا نصب العین حسن کے بعض عناصر میں پہلے نصب العین سے بلند تر ہوتا ہے۔ تاہم پرانے نصب العین کا ترک کرنا اور نئے نصب العین کا اختیار کرنا بڑے بڑے آلام ومصائب کا سامنا کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح سے نوع انسانی کا تصور حسن اس موتی کی طرح جو پے بہ پے آنے والے طوفانوں میں پرورش پا کر اپنے کمال کو پہنچتا ہے بڑے تلخ تجربات اور صبر آزما حوادث کے سیلاب سے تربیت پا کر رفتہ رفتہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب نوع انسانی کا تصور حسن بلندی میں آسمان سے بھی گزر جائے گا اور کرسی اور عرش تک پہنچ جائے گا اور نوع انسانی حالات سے مجبور ہو کر اپنا تصور حسن خود خدا ہی کو قرار دے گی۔ اور اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ خود انسان کی فطرت اس بات کی ضامن ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا اور نوع انسانی حسن نیکی اور صداقت کے اوصاف کو اپنے آپ میں آشکار کر کے خدا کے پسندیدہ نصب العینی انسان کے اس قدر قریب آجائے گی کہ خدا کا دل اس کی محبت سے بھر جائے گا۔

خیال ادکرا زسیل حوادث پرورش گیرد
زگرداب سپر نیلگوں بیرون شودروزے
یکے درمعنی آدم نگرا زما چہ مے پرسی
ہنوزاندرطبیعت مےخلدموزوں شودروزے
چناں موزوں شودایں پیش پاافتادہ مضمونے
کہ یزداں رادل زتاثیراوپرخون شودروزے

اور جب انسان خدا کے نصب العین کو پوری طرح سمجھ بوجھ کراپنائے گا تو پھر وہ اس نصب العین کوترک نہیں کر سکے گا۔عملِ تاریخ کے ان اسباب سے ہی جن کی تشریح اوپر کی گئی ہے یہ بات آشکار ہوجاتی ہے کہ وہ نظریاتی جماعت جو خدا کے ایسے صحیح اور کامل تصور پر جوانسان کی قدرتی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر حاوی ہؤ قائم ہوتی ہے وہ عمل تاریخ کے ملیا میٹ کرنے والے اثرات سے محفوظ رہتی ہے چونکہ خدا کا ایسا تصورتمام نقائص اورعیوب سے پاک ہوتا ہے۔جوقوم اسے اپناتی ہےاوراس پرقائم رہتی ہےاوراس سے محبت کرتی ہے وہ اپنی محبت میں کبھی مایوسیوں سے دوچارنہیں ہوتی اوراس کی محبت کوکبھی زوال نہیں ہوتا۔اگرچہ اس قوم پربھی نصب العینوں کی باہمی رقابت اور جنگ وجدال کی وجہ سے ضعف اورقوت کے ادوارکا آناجانا ضروری ہوتا ہےلیکن اس بات کے باوجود یہ قوم اوراس کا نصب العین تاقیامت موجودرہتے ہیں۔

صاحب ملک عظیم، درویش بادشاہ

حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ (10)

(1618ء ـــــــ 1707ء)

انجینئر مختار فاروقی

حضرت محی الدین اورنگ زیب 3 نومبر 1618ء کو شاہ جہاں کے ہاں ملکہ ممتاز محل کے بطن سے گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1658ء سے 1707ء تک کابل سے لے کر آسام تک حکومت کی اور 3 مارچ 1707ء کو نصف صدی تک 'درویشانہ بادشاہت' کا تحفہ دے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اتنی وسیع سلطنت اور اس کے انتظامی، سیاسی اور فوجی امور کی نگہداشت کے باوجود اس مرد جلیل نے ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید کی کتابت کر کے معمولی آمدنی سے ذاتی اخراجات چلائے ہیں کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں عالمی حالات و واقعات کا بہاؤ کس رخ پر تھا؟ اس کا مختصر تذکرہ شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حالات و واقعات میں گزر چکا ہے تاہم چند پہلوؤں پر دوبارہ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

دین و مذہب کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ تاریخ بنیادی طور پر ''خیر'' اور ''شر'' کے درمیان کشمکش اور تصادم کا ہی دوسرا نام ہے کبھی یہ کشمکش دھیمے انداز میں رہی ہے جسے آج کل COLD WAR کہتے ہیں اور گاہے گاہے یہ کشمکش تصادم کی شکل اختیار کر لیتی رہی ہے جس سے جنگ کی صورت حال پیدا ہو جاتی رہی ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے بعد ''خیر'' و ''شر'' کی کشمکش کے دو فریق بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئے ہیں اور گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ دراصل بنی اسرائیل اور مسلمان

یا یہودیت اور اسلام یا بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی جنگ کا نام ہے۔

یہودیت نے کبھی سامنے آ کر جنگ نہیں بلکہ ہمیشہ دوسروں کو ابھار کر اسلام کے مدِّ مقابل کھڑا کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی کوششیں جاری رکھی ہیں۔ خلافت راشدہ کے دوران میں جب اسلام کو سیاسی استحکام ملا اور فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو اسلام کی تعلیمات اور سیاسی غلبے اور دراصل 'فلاحی ریاست' کا تصور ساری دنیا میں پھیل گیا تاہم یہودی مسلمانوں سے پہلے ہی 70ء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بزعم خویش سولی کے تختے تک پہنچانے کے جرم کی وجہ سے ٹائٹس رومی فاتح کے ہاتھوں ذلت اٹھا کر فلسطین سے دربدر ہو چکے تھے اور دنیا کے تمام معروف سیاسی، علمی اور تہذیبی مراکز میں قدم جمانے میں کامیاب ہو چکے تھے اصفہان، جنوبی ہندوستان، عراق، ترکی، مشرقی و مغربی یورپ، شمالی افریقہ، حجاز وغیرہ میں یہودی آبادیاں (SETTLE MENTIS) دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی ہیں گویا ''خیر'' کی توسیع واشاعت سے پہلے ''شر'' متوقع مقابلے کے لئے پوزیشن سنبھال چکا تھا۔

اسلام کے مدمقابل اس طبقے یا بالفاظ دیگر آسمانی وحی سے بیزار اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے اس طبقے نے کئی طرح سے اسلام کو گھیرا ڈالنے کے جتن کیے ہیں جن کا ذکر گزشتہ شماروں میں آ چکا ہے۔ 1000ھ کے قریب دوسری ہزاری کے آغاز پر اس طبقے میں دوبارہ ایک جوش پیدا ہوا ہے اور آسمانی ہدایت کی مخالفت میں سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئی ہیں۔

جنوبی ایشیا میں 800ء سے لے کر 1400ء تک ہندوؤں نے اسلام کا سیلاب روکنے کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں جن میں سکھ مذہب کا کھڑا کر دینا اس کا نقطۂ عروج تھا تاہم اس کے پیچھے ہندو ذہن کا ایک فلسفہ تھا کہ مسلمان کو کسی طرح مقامی مذہب میں مدغم کر دیا جائے؛ لہٰذا بھگتی تحریک (BHAKTI MOVEMENT) کا آغاز ہوا اس کے پرچاروں نے ایسے خیالات کا پرچار کیا کہ آسمانی مذاہب سب ایک ہیں ان کا منبع ایک ہے اور تعلیمات بھی ایک ہیں لہٰذا کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی رحمٰن کہہ کر اللہ کو پکارے یا رحیم کہہ کر، پرماتما کہہ کر یا بھگوان کہہ کر یا یزدان کہہ کر مخاطب کرے یا ایشور کے نام سے ہم کلام ہو۔ لہٰذا شدت پسندی کا خاتمہ اور تمام مذاہب کی یکساں پذیرائی ہونی چاہیے اور سب کو ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے ایک

دوسرے کے ہاں آنا جانا چاہیے اور تنقید کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔

اس تحریک کے عوامی ہونے میں کوئی شک نہیں تاہم کئی بڑی شخصیات بھی اس سیلاب میں بہ گئیں اور مسلمانوں میں سے بھی کئی شخصیات نے اس کا پرچار کیا۔ سکھ مذہب کا اجرا اسی کی ایک معین شکل تھی جو عسکریت پسندی اور مسلمانوں کو سیاسی سطح پر کمزور کر کے حکومت سے بے دخل کرنا چاہتے تھے؛ اسی لئے سکھوں کے تمام گرو تو مسلمان حکومتوں سے ہمیشہ ٹکراتے رہے اور اکثر و بیشتر شکست کھاتے رہے (آخری سکھ گرو، گوبند سنگھ اورنگزیب کے دور میں مارا گیا) اسی لئے مسلمان سکھوں سے دُور بھی رہے لیکن اس تحریک کے زیر اثر بہت سے لوگ صوفیا کے روپ میں اس فلسفہ کو قبول اس کے پرچارک بن گئے۔ مسلمانوں کی دوسری ہزاری (1596ء یا 1000ھ) کے لگ بھگ اس تحریک نے زور پکڑا اور مسلمانوں میں سے ہی اکبر جیسا حکمران پیدا ہو گیا جس نے دین الٰہی کو جاری کر کے تمام مذاہب کو خوش بھی کر دیا اور ساتھ بھی ملا لیا۔ اگرچہ ہندو تو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اکبر کی شکل میں مسلمانوں کو رام کر لیا تھا ــــــــــــ تاہم یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اکبر نے اس بھگتی تحریک کا اثر قبول کر کے تمام حکومت مخالف عناصر کو ساتھ ملا لیا اور اپنی سلطنت کو دوام بخشا ہے۔ واللہ اعلم

مغلیہ سلطنت کے فرمانروا جہانگیر جلد ہی اس تحریک کے طلسم سے باہر آ گیا اور اس نے شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر توبہ کر لی اور شراب وغیرہ سے توبہ کر کے ایک حد تک سدھر گیا۔ تاہم اس تحریک کا اثر پھیلتا بڑھتا چلا گیا چنانچہ جہانگیر کے بعد شاہجہاں آیا تو اس تحریک نے شاہجہاں کے بیٹے داراشکوہ کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ اس کا پرچارک بن گیا۔ ہندو ذہن اور بھگتی تحریک کے کارپردازان (MASTER MINDS) نے یہ کوشش کی کہ اگر شاہ جہاں کے بعد داراشکوہ کو حکمران بنا دیا جائے تو یہ تحریک کامیاب ہو جائے گی مگر ''تدبیر کند بندہ، تقدیر کند خندہ'' خالق کائنات کو کچھ اور ہی منظور تھا شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور شیخ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی محنت کے اثرات اتنی جلدی ختم ہونے والے نہیں تھے اللہ نے اورنگ زیب عالمگیر کو آگے کر دیا اور داراشکوہ کی جگہ شاہجہاں کے تیسرے بیٹے نے باپ کے بعد تاج و تخت سنبھال لیا۔ دراصل اورنگ زیب صحیح راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اس نے بھانپ لیا تھا کہ میرا بڑا بھائی داراشکوہ بھگتی تحریک سے

شدید متاثر ہے جس سے اسلام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا اس نے آگے بڑھ کر داراشکوہ سے جنگ کر کے جانشینی اور حکومت چھین لی اور باپ کو بھی قید کر دیا۔

ہندو ذہن اس عمل کو کبھی ہضم نہیں کر سکتا تھا لہٰذا انہوں نے اورنگ زیب کو ظالم غاصب اور نا معلوم کیا کیا کہا ہے تاہم ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچیں تو سمجھ میں آئے گا کہ آخر ہندو کو داراشکوہ کے حکمران نہ بننے سے کیا دلچسپی تھی؟ دلچسپی یہی تھی کہ انہوں نے جتن کر کے ایک منصوبہ کے تحت ایک حکمران تراشا تھا جو تخت شاہی پر متمکن نہ ہو سکا بلکہ اورنگ زیب عالمگیر کی شکل میں اسلام کا ایسا محافظ سامنے آ گیا جس نے اس تحریک کے اثرات کو غیر مؤثر بنانے میں بڑا کام کیا اور کم از کم ایک صدی پیچھے دھکیل دیا۔

اس تحریک کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں سے 'مادھولال حسین' جیسے نام سامنے آ گئے جو پہلی نظر میں دیکھیں تو مادھو، لعل اور حسین تین مختلف مذاہب کے اثرات اپنے اندر رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ لاہور کے مشہور مشہور بزگ حضرت میاں میر رحمہ اللہ کو بلا کر سکھ گردوارہ امرتسر (جو بعد میں سکھ تحریک کا مرکز بنا اور 'گولڈن ٹمپل' کے نام مشہور ہوا) کا سنگ بنیاد رکھوایا گیا تا کہ مسلمان عوام کو دھوکہ دیا جا سکے۔ خدانخواستہ یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو مسلمانوں کے نام کے ساتھ کرشن، سنگھ اور دیگر الفاظ کے سابقے لاحقے نظر آتے جیسے آج کل بھارت میں شروع ہو چکا ہے اور تھری سی (COMMON CIVIL CODE) کے نام سے جو تحریک مسلمانوں کے فیملی لاز کو ختم کرنے کے لئے چل رہی ہے وہ آج سے دو صدیاں پہلے کامیاب ہو چکی ہوتی۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمۡرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (یوسف۔21)

''اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

دشمنوں کی سرگرمیوں کا دوسرا بڑا مرکز سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں یورپ تھا۔ ان سرگرمیوں کے اسباب و نتائج پر مختصراً ترتیب وار چند اشارے پیش خدمت ہیں:

(1) سپین (ہسپانیہ یا اندلس) میں مسلم اقتدار 711ء سے بڑا مستحکم چلا آ رہا تھا جہاں یہود بڑی آسودگی اور امن سے رہ رہے تھے۔ مشرقی یورپ میں عیسائیت کا غلبہ تھا اور یہ دور مسیحی یورپ کا (DARK AGES) کا دور ہے۔

(2) 1453ء عثمانی حکومت نے آگے بڑھ کر قسطنطنیہ جو یورپ کا مشرقی شاہدرہ کہلاتا تھا' فتح کر لیا اور مزید پیش قدمی کر کے مشرقی یورپ کا بڑا حصہ بھی اسلامی حکومت میں شامل کر لیا ایک وقت میں مسلمان فوجیں فرانس کے قلب تک پہنچ گئی تھیں۔

(3) رومی دارالحکومت قسطنطنیہ کے ہاتھوں سے چلے جانے سے مسیحی یورپ اور بنی اسرائیل (یہود) میں کھلبلی مچ گئی اور غصے اور بدحواسی میں انہیں اس کے سوا چارہ نظر نہیں آیا کہ سپین میں زوال پذیر مسلم اقتدار کو ختم کر کے مسلمانوں کو بھی ختم کر دیا یا زبردستی عیسائی بنا لیا گیا یا شمالی افریقہ کے ساحلوں پر اتار دیا گیا۔ سقوط غرناطہ کا یہ واقعہ 1492ء کا ہے۔

(4) اسی دور میں سپین میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی اور علمی برتری مسیحی یورپ کے ہاتھ آ گئی اور یہود نے اس علمی وراثت کو آنے والی صدیوں میں ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔

(5) جب یورپ میں مسیحی اور یہودی آمنے سامنے ہوئے تو یہود نے اپنی سرشت اور تاریخ کے مطابق خود سامنا کرنے اور شکست وریخت سے دوچار ہونے کی بجائے عیسائیوں کی اکثریت میں سے ہی ایک پروٹسٹنٹ خیالات کا حامی (یعنی اپنے ہی ایجاد کردہ کیتھولک عیسائی عقائد کے خلاف) نیا فرقہ کھڑا کر دیا اور بڑی جدوجہد سے اس کا وجود اور اس کے تحت عیسائیت سے آزاد بہت سے قوانین بھی منظور کرا لئے جن میں سب سے بڑا ثمرہ سود کی حرمت کے خاتمے کی شکل میں سامنے آیا۔

(6) یورپ میں سائنسی ترقی اور علمی برتری کی بنیاد پر یورپی اقوام میں احساس برتری پیدا ہوا تو سیاسی اور فکری پھیلاؤ کا مرحلہ آ گیا۔ یورپ کے مغرب میں سمندر بحراوقیانوس تھا اور مشرق میں عظیم سلطنت عثمانیہ اور جنوب میں شمالی افریقہ بھی بہت دور تک عثمانی مقبوضات تھے جبکہ شمال میں منجمد سمندر۔ اس صورت حال میں نئی دنیاؤں کی تلاش کا مرحلہ سامنے آیا اور یورپ کے لوگ سیاحوں کی شکل میں بحری راستوں پر نکل کھڑے ہوئے اور اس میں کوئی شک نہیں ''جوئندہ یابندہ'' جو محنت کرتا ہے وہ محنت کا پھل پاتا ہے یورپ کے ان سمندری سیاحوں نے جا کر امریکہ پر قبضہ کر لیا (1498ء) جو بڑی وسیع نئی دنیا تھی اور اسٹریلیا پر قبضہ کر لیا اور دنیا کے متعدد بے آباد جزیروں پر بھی قابض ہو گئے۔

(7) اسی پس منظر 1498ء میں ہی واسکوڈی گاما نے مسلمان بحری ماہرین کی زیرنگرانی جنوبی افریقہ سے گھوم کر بھارت اور مشرق آنے کا سمندری راستہ دریافت کرلیا۔جس سے سلطنت عثمانیہ کے گرد چکر کاٹ کر لمبے راستے ہی سے سہی جنوبی ایشیا تک رسائی ممکن ہوگئی اور یورپی عوام نے تجارتی منڈیوں کی تلاش میں یہاں آنا شروع کردیا اور بنگال کے پاس ساحلی علاقوں پر ڈیرے ڈال دیئے اور تجارت کو فروغ دینے کی سرگرمیوں میں مشغول ہوگئے۔1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی (E.I.C) قائم ہوئی جو بعد میں پورے ہندوستان پر قابض ہوگئی۔ ہمارے پرانے شہروں میں کمپنی باغ اسی دور غلامی کی یادگار ہیں۔

(8) تجارت اور نئی منڈیوں کی تلاش میں یورپی اقوام کے نمائندے کے پورے ہندوستان میں پھیلے اور دہلی تک بھی رسائی حاصل کرلی۔ جب انسان محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ راستے خود بخود پیدا کردیتا ہے اور جب قوم سو جاتی ہے اور کاہل ہو جاتی ہے اور نام نہاد 'توکل' اختیار کرلیتی ہے تو وسائل ترقی کے پہلے سے موجود دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں یا ہاتھوں سے چھن جاتے ہیں۔

عظیم مغل بادشاہ شاہ جہاں بیمار ہوا تو اس کے علاج میں مقامی حکماء اور اطباء کو کوئی کامیابی نہ ہوئی بادشاہ بہت پریشان تھا کہ ایک یورپی ڈاکٹر دہلی میں موجود تھا جس نے پیش کش کی اگر اسے علاج کا موقع دیا جائے تو وہ علاج کرسکتا ہے اس نے بادشاہ کا مختصر سا علاج (OPERATION) کیا اور بادشاہ صحت مند ہوگیا جس سے شاہ جہاں نے اُسے مشرقی بادشاہوں کی روایت کے مطابق کہا: مانگو جو مانگتے ہو؟ اور اس نے انعام کے طور پر صرف یہ مانگا کہ ہم پردیسی لوگ ہیں تجارت کی غرض سے آئے ہیں منافع زیادہ نہیں ہے ہمیں مقامی ٹیکس (IMPORT TAX) معاف کردیئے جائیں بادشاہ نے سادگی میں اس بات کی منظوری دے دی جس سے یورپی تاجروں کے لئے اسلحہ لانے کے راستے کھل گئے اور انہوں نے جلد ہی اپنی آبادیوں کو اسلحہ سے بھر دیا اور ہندوستان پر سیاسی تسلط اور قبضے کے خواب دیکھنے شروع کردیئے۔

اس پس منظر میں جنوبی ہند میں مغلیہ سلطنت کا بطلِ جلیل حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر برسراقتدار آگیا۔ایک طرف اُسے مسلمانوں کے اندر بدعملی اور دین سے دوری کے

سبب فکری انحطاط کا سامنا تھا دوسری طرف مغلوں نے ایک صدی کے اقتدار کے باوجود شریعت اسلامی کا کامل نفاذ نہیں کیا تھا۔ اورنگ زیب اس میدان میں بھی مخلص تھا کہ اسلام کے تمام عدالتی قوانین نافذ ہوں اور انصاف کا بول بالا ہو اور مسلمان حکومت کی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا پورا ہو ــــــــــــ تیسری طرف اُسے ہندوستان کی اکثریتی مذہب ہندوازم کی طرف سے بھگتی تحریک کے وار خالی جانے اور دارا شکوہ کے اقتدار پر قابض ہونے سے محروم رہ جانے کا شدید صدمہ اور ردِعمل کا خدشہ تھا ــــــــــــ اور چوتھے سکھ گروؤں کی مسلسل بغاوتوں کا سامنا تھا اور وہ بالخصوص موجودہ پنجاب اور سرحد کو قبضہ میں لے کر مغلیہ سلطنت کا زمینی رشتہ افغانستان، ایران اور ترکی کی مسلم دنیا سے کاٹ دینا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں سے سختی سے نمٹا جا سکے۔

اورنگ زیب عالمگیر کو اللہ نے موقع دیا اور طویل عرصہ نصف صدی کی حکمرانی دی، وسیع وعریض سلطنت دی تو صلاحیتیں بھی وافر عطا فرمائیں تاکہ وہ صحیح انداز میں اور صحیح نہج پر دین کی خدمت کر سکے۔

ذیل میں آپ کی نصف صدی کے چند کارنامے اشارات کی شکل میں ترتیب وار درج کیے جاتے ہیں۔

(ا) اورنگ زیب نے اپنی طویل تخت نشینی کے دور میں زیادہ وقت مختلف مہمات میں گزارا۔ 1662ء میں اس نے مغربی آسام کا محاصرہ کیا جو 1667ء میں اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ 1666ء میں اس نے چٹاگانگ اور 1667ء میں کابل کی بغاوتوں کو فرو کیا۔ خصوصاً اسے کابل پر زیادہ توجہ دینا پڑی۔ 1672ء اور 1681ء میں دوبارہ اس کو پٹھانوں کی شورش کا سامنا کرنا پڑا۔ 1679ء میں اس نے مردار (جودھ پور) اور میواڑ (اودھے پور) کی سلطنتوں پر دو کامیاب حملے کیے ان میں سے مردار اس کے قبضہ میں آ گیا لیکن میواڑ کے ساتھ 1681ء میں معاہدہ امن طے ہوا۔ 1685ء میں اس نے بیجاپور اور 1686ء میں گول کنڈہ کی ریاستوں پر دوبارہ کامیاب حملے کیے اور انہیں سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا یوں پہلی بار سلطنت مغلیہ ساحل چٹاگانگ سے لے کر کوہ ہندوکش کے دامن تک پھیل گئی۔

اگلے کئی برس اس نے سلطنت کے انتظام وانصرام میں گزارے مگر بدقسمتی سے وہ ایک اچھا منتظم ثابت نہ ہوسکا۔ مرکز سے مسلسل غیر حاضری نے مقامی سرداروں کو سر اٹھانے کا موقع دیا۔ خصوصاً مرہٹوں نے اسے کبھی بھی چین سے نہ بیٹھنے نہ دیا۔ اکبر کے برعکس اورنگ زیب ایک پکا سنی العقیدہ مسلمان تھا جب کہ اس کا بھائی داراشکوہ ملحدانہ عقائد کا حامل سمجھا جاتا ہے اس نے اسلامی قوانین کو اقوال آئمہ کی روشنی میں نافذ کرنے کی کوشش کی اس سلسلے میں نظام عدلیہ میں بے شمار تبدیلیاں کیں، مختلف مجموعہ کے فتاوے مرتب کرائے اس بنا پر بہت سے آزاد خیال مسلمان اور متعصب ہندو اس کے مخالف ہوگئے۔ مسلمانوں کو سب سے بڑا اعتراض اس بات پر تھا کہ اورنگ زیب نے سکہ پر سے کلمہ طیبہ کے حروف حذف کرنے کا حکم دیا تھا اور ہندو کو اس بات پر چڑ تھی کہ اس نے ذبیحہ گائے اور ہندوانہ طرز سلام کے متعلق اکبر کے قوانین کو منسوخ کر دیا تھا۔ ہندوؤں نے اس پر بت شکنی اور مندر شکنی کے الزامات بھی عائد کیے ہیں۔

(ب) عالمگیر نے ایسی تمام رسوم کو جو غیر اسلامی تھیں یا اسلام کے منافی تھیں، بند کر دیا اور سب سے پہلے اس نے دربار میں اصلاحات کیں، سالگرہ اور تاج پوشی کے جشنوں میں سادگی پیدا کی، درباری نجومی موقوف کر دیے، جھروکے میں بیٹھنے کی رسم ختم کر دی، جشن نوروز بند کر دیا، الٰہی تقویم منسوخ کر کے اسلامی تقویم رائج کی، اس کے علاوہ محرم کے جلوس وغیرہ بند کرائے۔ قمار بازی، عصمت فروشی، شراب نوشی بند کر دی، موسیقی کے غیر معتدل اثر کی وجہ سے لوگ شمشیر وسنان بھول کر طاؤس ورباب میں گم ہو چکے تھے، عالمگیر نے موسیقی بھی بند کرادی۔

مسلم عوام کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے اس نے بڑے مستعد محتسب مقرر کیے، ائمہ مساجد کی تطہیر کی، اسلامی فقہ مدوّن کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے عالمگیر کی سرپرستی میں فتاویٰ عالمگیری مرتب کیا، جو بین الاقوامی شہرت کا مجموعہ ہے۔

(ج) عالمگیر بہت بلند کردار کا مالک تھا، اس کی زندگی اسلامی روایات کے عین مطابق تھی، وہ تمام مذہبی واجبات کا سختی سے پابند تھا، زندگی عیش وآرام سے کوسوں دور تھی، لباس اور خوراک بڑی سادہ تھی، اس نے سرکاری خزانہ کو ہمیشہ قومی امانت سمجھا اور کبھی ایک پیسہ نہ لیا، اپنے ذاتی مصارف پورے کرنے کے لئے وہ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں سیتا اور قرآن مجید لکھتا اور اسی اصول پر

اس نے تمام زندگی بسر کی، وہ ایک صوفی تاجدار تھا، اس کا تصور حکومت بہت بلند تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا مجھے اس دنیا میں اس لئے لایا کہ میں اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے زندہ ہوں اور محنت ومشقت اٹھاؤں۔ میرا فرض ہے کہ اپنی راحت کا خیال صرف اس حد تک کروں جس حد تک اسے میری رعایا کی خوشی حاصل ہو۔

یہ سیمینار 4 مارچ 2007ء بروز اتوار صبح 9:00 بجے تا 11:30 بجے تک منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں جناب ساجد محمود مسلم صاحب، جناب پرفیسر مہر غلام سرور صاحب اور انجینئر مختار فاروقی صاحب کے علاوہ دیگر دانشور حضرات نے حضرت محی الدین اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر اظہار خیال فرمایا۔ (ادارہ)

معاصر دینی جرائد سے ماخوذ

(1) محدود خواہشات، لامحدود وسائل

اسلام کے اصول تجارت قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے

حسین محی الدین القادری

تجارت کے لئے وضع کردہ بین الاقوامی ضوابط اور مختلف کاروباری ماڈلز اپنا ارتقائی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے حامل معاشرے بزنس کے لئے نئے نئے اصول وضع کر کے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی دوڑ میں شریک ہیں اس طرح مادیت کا غلبہ بھی واضح دیکھا جاسکتا ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس نے تجارت کے بنیادی اصول 1400 سال قبل وضع کر دیے جو تبدیل نہیں کیے جاسکتے، یہ اصول انسانیت کو قیامت تک رہنمائی دیتے رہیں گے اور ان پر قائم رہتے ہوئے کوئی بھی معاشرہ اور تہذیب کامیابی کی معراج کو چھو سکتی ہے۔ اسلام کے کاروباری نظام پر بات کرنے سے قبل ہم موجودہ حالات کو دیکھتے ہیں تو آج ہمارا رول ماڈل مغرب کا بزنس مین، مغربی کارپوریٹس، تنظیمیں اور مغربی پالیسیاں ہیں۔ مغرب نے ترقی کی منازل طے کر کے نیا نظام دیا اور آج دنیا اس کی پیروی کر رہی ہے۔ اسلام نے بزنس کے جو اصول وضع کیے اس کی اصل روح کو سمجھا نہیں گیا، نظر انداز کر دیا یا کوئی سمجھانے والا نہ مل سکا نتیجتاً مغرب کی تقلید کی گئی اور یہ کہہ دیا گیا کہ اسلام کا دیا ہوا بزنس ماڈل آج کے دور کے لئے قابل عمل نہیں رہا۔ سات آٹھ سو سال قبل جب مغرب کو رہن سہن کی خبر نہ تھی، لندن اور پیرس جیسے شہروں میں باتھ روم تک کا تصور نہ تھا، مسلم سپین کے بڑے شہروں قرطبہ اور گرینیڈا اور بغداد میں تین سے چار سو ریشم کی ملیں ہوا کرتی تھیں، 800 سے زائد زیتون کے تیل کے EXPELLERS تھے جو

پورے عرب اور یورپ میں OLIVE OIL ایکسپورٹ کرتے تھے اور پوری دنیا میں مسلمان تاجروں کا چرچا تھا اور اس وقت ان کے سامنے WEST کا نہیں بلکہ اسلام کا عطا کردہ بزنس ماڈل تھا جس کے بانی حضور نبی ﷺ ہیں۔ مسلمانوں نے اس کاروباری ماڈل پر عمل کر کے کئی سو سال تک دنیا پر حکومت کی۔ آج چین COST EFFICIENCY کا ماڈل لے کر آگے بڑھ رہا ہے مگر اس کا انداز اور حیثیت COPY CAT کی ہوگئی ہے اور COPY CAT کبھی سپر پاور نہیں بن سکے۔ اسلام کا اپنا اور یجنل بزنس ماڈل ہے جسے اپنا کر مسلمانوں نے ترقی کی اور بعد ازاں اسے ساری دنیا نے اپنایا۔

اسلامی بزنس ماڈل کے علاوہ دنیا میں رائج کچھ ماڈلز کا تذکرہ ضروری ہے جو وقت کے ساتھ پس منظر میں چلے گئے۔ ان میں سے ایک ماڈل RELATIVISM تھا جس میں پہلے سے طے شدہ اصولوں کو ماننے کی بجائے یہ تصور دیا گیا کہ ہر فرد جو چاہے کر سکتا ہے اور ہر کسی کی رائے درست ہے اس طرح کوئی نظام نہ بن سکا اس لئے معاشرے نے اسے رد کر دیا۔ اس کے بعد UTILITARIANISM کی بات کی گئی جس کا بنیادی تصور اس بات کے گرد گھومتا تھا کہ اگر مقصد پورا ہوتا ہے تو طریقہ جو بھی اپنا لیا جائے درست ہے۔ یہ ماڈل بھی اسلام کے خلاف ہے اور اب مغرب کو بھی اس کے نقائص کا ادراک ہو چکا ہے اگر مقصد پیسہ کمانا ہے تو بنک لوٹ کر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے پراسس غلط ہے مگر مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ تیسرا نظام UNIVERSALISM ہے جس میں دلچسپ امر یہ ہے کہ پراسس اور آخری نتیجہ کی بجائے ارادے کے صحیح ہونے کو اوّلیت دی جاتی ہے' چاہے پراسس بھی غلط ہو اور نتیجہ بھی درست نہ آئے۔ ایسا نظام بھی قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ اسلام نیت، عمل اور نتیجہ تینوں کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ یہ نظام درست ہے یا غلط۔ اس لئے یہ نظام بھی اسلامک بزنس ڈاکٹرین سے مماثلت نہیں رکھتا۔ چوتھا ماڈل DISTRIBUTIVE JUSTICE کا ہے جو اسلامی نظام تجارت کے قریب ہے اور کسی حد تک نافذ بھی ہے۔ پاکستان میں بھی یہ نظام چل رہا ہے مگر اس کو اس کی اصل روح کے ساتھ نافذ نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ زیادہ منافع کے حصول میں مانع ہوتا ہے یہ نظام مالک اور ملازم دونوں کے حقوق کی بات کرتا ہے اس لئے سرمایہ دارانہ نظام اور SOCIALIST

ECONOMY دونوں اسلامی کاروباری نظام کے قریب نہیں ہیں' اول الذکر بزنس مین کے حقوق کو تحفظ دیتا ہے اور مؤخر الذکر صرف کارکنوں کے حقوق کی بات کرتا ہے جب کہ اسلام نے ہمیشہ میانہ روی کی بات کی ہے۔ DISTRIBUTIVE JUSTICE میں مالک اور ملازم دونوں کو محنت کا اجر ملتا ہے اور کسی کا حق نہیں مارا جاتا۔ اگر معاشرہ متأثر نہ ہو رہا ہو تو اسلام فرد کے حقوق کو تحفظ دے گا، اگر متاثر ہوتا ہو تو پھر تحفظ نہیں دے گا۔ اگر کئی فرمز مل کر کوئی ایسا کام کر رہی ہیں جس کا معاشرے کو فائدہ کی بجائے نقصان ہو رہا ہے اور کوئی ایک فرم معاشرے کو فائدہ دے رہی ہے تو اسلام اس ایک فرم کو فائدہ پہنچائے گا۔ اور اگر کئی فرم اچھا کام کر رہی ہیں اور کوئی ایک فرم معاشرے کو نقصان پہنچا رہی ہے تو اسلامی بزنس سسٹم ان فرمز کو فائدہ پہنچائے گا۔ کیونکہ اسلامی جمہوری نظام آنکھیں بند کر کے جمہوری نہیں ہے اگر اکثریت کسی غلط بات پر جمع ہو جاتی ہے تو اسلام ایسی جمہوریت کو قطعاً SPPORT نہیں کرتا، اسلام کچھ حدود و قیود لگا کے جمہوریت دیتا ہے۔

اسلامک بزنس ETHICS کے کلچر کو کمپنیز اور کارپوریٹ لیول پر فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ کمپنیز اہم اقدامات کریں جن میں سے ایک MORAL ADVOCATE کی صورت بھی ہے۔ MORAL ADVOCATE کی پوزیشن کو ہر کمپنی میں پیدا کیا جائے جو اس بات کو یقینی بنائے کہ کمپنی میں اچھا اخلاقی رویہ فروغ پا رہا ہے۔ MORAL ADVOCATE کمپنی کا مالک خود بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی ذمہ داری ہو کہ وہ کمپنی کے اندر اسلامی اقدار اور تجارتی اخلاقیات کے ماحول کو یقینی بنائے اور کمپنی کے ملازمین کو اسلامی بزنس کی اخلاقیات سکھائے اور یہ کاوش تبھی کامیاب ہوگی کہ جب کمپنی کا CEO ان اخلاقیات کو خود پر بھی لاگو کرے۔ اسلامی تجارتی نظام میں کسٹمر کا حق مالک کا فرض ہے۔ ایک مسلم آرگنائزیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ کسٹمر کے ساتھ زیادتی نہ ہو کسٹمر کے حقوق میں پراڈکٹ کوالٹی اور COST EFFICIENCY دونوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اسلام COST EFFICIENCY اور TIME EFFICIENCY کی بات ڈرف کمپنی کے لئے نہیں کسٹمر کے لئے بھی کرتا ہے۔ یہ بات مغرب کو سالہا سال کے تجربات کے بعد اب سمجھ آئی ہے مگر اسلام چودہ صدیاں قبل اس کے

اصول وضع کر چکا ہے۔

ویسٹرن بزنس ماڈل کی بنیاد لامحدود خواہشات اور محدود وسائل پر قائم ہے جبکہ اسلام کے بزنس ماڈل کی خوبصورتی یہ ہے کہ یہ محدود خواہشات اور لامحدود وسائل کا تصور دیتا ہے۔ ایسے معاشرے، ملک اور اُمت کو کون شکست دے سکتا ہے جو لامحدود وسائل کے لئے محنت کرے مگر خواہشات کو ایک حد سے بڑھنے نہ دے۔ اسلام کے اس ماڈل کو اپنا لیا جائے تو انڈسٹریز اور ملک ترقی کرے گا اور منافع میں سے غریب عوام کو بھی حصہ ملے گا اور وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر معاشرے میں باعزت مقام حاصل کر سکیں گے۔ زیادہ بچت کرنے سے معاشرے کے پسے ہوئے طبقوں کو خوشحالی دی جا سکتی ہے اسلام کا بزنس کا تصور یہ ہے کہ سرمایہ مالک، ملازم اور غریب عوام تینوں میں تقسیم ہو اور معاشرہ ایک فلاحی ریاست کا نظارہ پیش کرے' بزنس کے اسلامی ماڈل میں دیانت داری اور مستقل دیانت داری کا بنیادی تصور اور خواہشات کو محدود کر کے وسائل کو لامحدود کرنے کی محنت وہ سنہری اصول ہیں جن پر عمل کر کے مسلم بزنس مین دنیا میں ترقی کی معراج کو چھو سکتے ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے وقت 8 مئی 2009ء)

---

(2) برنباس کی انجیل

محمد منیب

برنباس یسوع کا شاگرد تھا، وہ قبرص کا باشندہ تھا، اس کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے برنباس کہلاتا تھا، عیسائیوں کی مقدس کتاب ''رسولوں کے اعمال'' سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا شمار جلیل القدر شاگردوں میں ہوتا تھا، یہ ابتدا ہی سے یسوع کے ساتھ تھا، یہی شخص تھا جو پولُس کو ترسس سے یروشلم لایا (اعمال ب 11۔25 تا 30)۔ اسی کی بدولت یسوع کے شاگردوں میں پولس کا اعتماد بحال ہوا کیونکہ پولُس اس سے پہلے یسوع اور اس کے ساتھیوں کا سخت ترین دشمن تھا، اسی کے ہمراہ پولُس نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد انطاکیہ، قبرص وغیرہ کے دورے کیے اور یسوع کا پیغام دور دور تک پہنچایا اگر برنباس نہ ہوتا تو پولُس تاریخ کے اوراق میں گم ہو چکا ہوتا یوں برنباس پولس کا محسن تھا لیکن دونوں کی رفاقت عارضی ثابت ہوئی (15 ب 39)،

کیونکہ پولُس کے ذہن نے ایک نیا یسوع تراش لیا تھا یہ اس یسوع سے بالکل مختلف تھا جو زمین پر چلتا پھرتا تھا اور خدا کی بادشاہی کی منادی کرتا تھا۔ برنباس نے پولُس کے تراشے ہوئے یسوع کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یہاں سے دونوں کی راہیں جدا ہو گئیں اختلاف کے بعد پولُس کے چہیتوں نے برنباس کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔اس کا ثبوت عیسائیوں کی مقدس کتابیں ہیں جن میں برنباس کا ذکر شاذ ہی ملتا ہے۔ وائے افسوس! جسے روح القدس نے اپنے کام کے لئے چنا تھا (اعمال 13 ب 2) اسے پولُس کے چہیتوں نے ردّ کر دیا یہ احسان فراموشی کی ایک اعلیٰ مثال ہے لیکن ان کی احسان فراموشی کی تاریخ یہیں تک محدود نہ رہی۔

جب توحید اور تثلیث پرست عیسائیوں میں جھگڑے حد سے بڑھے تو 325ء میں شہنشاہ کونسٹنٹائن نے معتبر اناجیل کا فیصلہ کرنے کے لئے نیکیا کی کونسل بلائی جس میں دو ہزار سے زائد مستند پادریوں کو مدعو کیا گیا۔شہنشاہ حقیقتِ حال سے ناواقف غیر عیسائی تھا،مگر تثلیث پرست عیسائی اس کی ناک کے بال تھے جن کے زیر اثر اس نے اپنا شاہی اختیار استعمال کرتے ہوئے سترہ سو پادریوں کو نااہل قرار دے دیا۔اس طرح شہنشاہ کی نادانی سے تثلیث پرست پادریوں کو کلامِ عیسیٰ علیہ السلام کے انتخاب کا اختیار مل گیا جنہوں نے صرف ہاتھ اٹھا کر متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی اناجیل کو شرفِ قبولیت بخشا۔ باقی تمام نسخے جو پچاس کے لگ بھگ تھے جلا دیے گئے ان جلائے جانے والے نسخوں میں پطرس، ماتھس اور برنباس کی اناجیل بھی شامل تھیں۔ یہ حکم شاہی بھی صادر ہوا کہ اگر کوئی شخص ان چار اناجیل کے علاوہ کسی اور انجیل کو پڑھتا ہوا یا اس کی تبلیغ کرتا ہوا پایا گیا تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔اس طرح یہ اناجیل اربعہ رائج ہوئیں جو آج تک معتبر سمجھی جاتی ہیں اور برنباس کی انجیل جو اس سے قبل اسکندریہ کے گرجاؤں میں مستند تسلیم کی جاتی تھی، نذرِ آتش ہو گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جب شہنشاہ نے باقاعدہ عیسائیت قبول کی تو وہ توحید پرست عیسائی بنا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔لہٰذا عقیدۂ تثلیث عیسائیت کی پہچان بن گیا۔

کائنات بالحق پیدا ہوئی ہے، اسے اس وقت تک قرار نہیں جب تک سچ ابھر کر سامنے نہ آجائے۔ یہی وجہ ہے کہ توحید پرست عیسائیوں کے حق میں یہ کائنات وقتاً فوقتاً شہادتیں دیتی رہی۔ایک مضبوط شہادت برنباس کی قبر سے اس کی انجیل کی دریافت تھی، یہ واقعہ ہے کہ توحید اور

تثلیث کا جھگڑا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں بھی تھا۔ برنباس توحید پرست تھا جب کہ متی تثلیث پرست۔ پولُس اور برنباس کے جھگڑے کے بعد آخرالذکر کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ اس کی لکھی ہوئی انجیل کہیں ضائع نہ ہوجائے لہٰذا اس نے یہ وصیت کی کہ اس کی انجیل وفات کے بعد اس کے سینے پر رکھ دی جائے تا کہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہوجائے۔ پس یہی انجیل تھی جو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے تقریباً ایک صدی قبل برنباس کے آثار سے برآمد ہوئی (ایکٹا سینکٹورم، بولینڈ جونائی ٹام۔ٹو صفحات 422 تا 450 اینٹورپ 1698ء) اس دریافت کو تعصب کی بنا پر چھپا دیا گیا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ برنباس کی انجیل اس وقت ناپید تھی بلکہ تاریخِ عیسائیت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس انجیل کی نقول لوگوں کے پاس تب بھی موجود تھیں جس کے حوالے توحید پرست عیسائی گاہے بگاہے دیتے رہتے تھے۔ اس دریافت نے مسئلہ توحید کے لئے مہمیز کا کام دیا۔ نتیجتاً بعثت نبویؐ سے چند سال قبل اسے جلاسین ڈکری (GELASIAN DECREE) کے تحت موضوع انجیل قرار دے کر مسترد کر دیا گیا کیونکہ یہ انجیل کلیسائے روم کے اعتقادات سے ٹکراتی تھی لیکن جن عقائد پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے مسترد کیا گیا تھا اسلام نے انہیں اپنی زینت بنالیا۔ سلطنت روما پارہ پارہ ہوگئی اور حق چار سو پھیل گیا ''جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا''۔

تثلیث پرست کلیسا نے برنباس کی انجیل صیغۂ راز میں رکھنے اور پھر اسے مسترد کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ لیکن سولہویں صدی میں کائنات نے پھر حق کی شہادت دی۔ ہوا یہ کہ اس انجیل کی ایک نقل جو پوپ کی ذاتی لائبریری میں محفوظ تھی پوپ سکسٹوس نہم کے دوست فرامرینو کے ہاتھ لگی جس نے اس کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر کے پروسیا کے کونسلر کے ذریعے سیوائے کے شہزادے یوجین کی خدمت میں پیش کیا۔ 1738ء میں جب شہزادے کی لائبریری ویانا منتقل ہوئی تو یہ ترجمہ وہاں پہنچ گیا اور اب بھی امپریل لائبریری آف ویانا میں موجود ہے۔ بعدازاں مسٹر اور مسز لانڈسیل رگ نے 1907ء میں اس کا انگریزی ترجمہ کلیرینڈن پریس آکسفورڈ سے شائع کیا۔ لیکن راتوں رات یہ ترجمہ پراسرار طور پر بازار سے غائب ہوگیا۔ بہرحال اس کی مائیکرو فلم کاپی مل گئی جسے عائشہ بوانی ٹرسٹ نے کثیر تعداد میں شائع کیا۔ اب روم کے پادریوں میں کھلبلی مچ

گئی انہوں نے اپنی جان چھڑانے کے لئے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ انجیل کسی مسلمان نے تحریر کر کے خوامخواہ برنباس کے نام سے منسوب کر دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ برنباس کی انجیل وجود ہی نہیں رکھتی۔ ع بریں عقل ودانش بباید گریست

حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ برنباس نے ایک انجیل لکھی تھی جسے توحید پرست عیسائی حوالے کے طور پر استعمال کرتے تھے اگر برنباس نے کوئی انجیل نہیں لکھی تھی تو چھٹی صدی عیسوی میں جیلاسین ڈکری کے تحت کونسی انجیل موضوع قرار دے کر مسترد کی گئی تھی؟ جب کہ وہ برنباس کی انجیل ہی تھی (دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانکا) تو اصل انجیل کی موجودگی میں جھوٹی نقل کیسے چل سکتی ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بے بنیاد ہے کہ اسے کسی مسلمان نے صدیوں بعد تحریر کر دیا ہے۔

یہ بھی جھوٹ ہے کہ برنباس کی قبر سے متی کی انجیل نکلی تھی۔ برنباس یسوع کے قریب ترین حواریوں میں سے تھا، وہ حواری ہی نہیں بلکہ ایک سرگرم مبلغ بھی تھا اسے کیا ضرورت تھی کہ اپنی انجیل کے بجائے متی کی انجیل قبر میں ساتھ لے جاتا! اس سے بڑھ کر حیرت تو اس بات پر ہے کہ ویٹکن سٹی کی وسیع وعریض لائبریری میں متی کی اس انجیل کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا جس کے متعلق یہ جھوٹ مشہور ہے وہ برنباس کی قبر سے ملی تھی۔ جلاسین ڈکری اور ایکٹا سینکٹورم تاریخ کے انمٹ حقائق ہیں جو بالواسطہ عیسائیوں کو راہِ حق بتا رہے ہیں یہ حقائق اس بات کا کافی اور وافی ثبوت ہیں کہ برنباس کی انجیل موجودہ چار اناجیل سے زیادہ معتبر اور مستند ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ موجودہ چاروں اناجیل کے مصنّفین میں سے ایک بھی عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا عینی شاہد نہیں۔ مرقس اور لوقا میں سے کوئی عیسیٰ علیہ السلام کا حواری نہ تھا۔ متی اور یوحنا اگرچہ حواری ضرور تھے لیکن متی کی انجیل اس کی اپنی تحریر کردہ نہیں، متی نے عبرانی زبان میں لوگیا کے نام سے یسوع کے اقوال جمع کیے تھے جسے پڑھ کر کسی اور نے اس کے نام سے انجیل مرتب کی، اس کا ثبوت خود متی کی انجیل ہے جس میں اس کے عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد بننے کا ذکر صیغۂ واحد غائب میں ہے۔ (حوالہ باب 9)

یہی حال یوحنا کی انجیل کا ہے یوحنا کی انجیل اُس یوحنا کی نہیں جو یسوع کا شاگرد تھا، یہ بلاشک وشبہ یوحنا کے مرنے کے بعد تحریر کی گئی۔ جدید تحقیق کے مطابق اس انجیل کی تاریخ پیدائش کم از کم یسوع کے 140 سال بعد کی ہے۔ لہٰذا تاریخی حقائق کی روشنی میں اگر کوئی انجیل سب سے

زیادہ لائق اعتبار ہے تو وہ برنباس کی انجیل ہے جس کا اعتراف کئی وسیع الذہن عیسائی علماء خود بھی کر چکے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ واحد انجیل ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کی اپنی تحریر کردہ ہے اور جو ان کی زندگی کا عینی شاہد تھا۔ دوسرے یہ کہ یسوع کی تمام تعلیمات اور تبلیغی دوروں کا ذکر سب سے زیادہ مستند انداز میں صرف اسی انجیل میں ملتا ہے۔ تیسرے یہ کہ برنباس حواری بھی تھا اور مبلّغ بھی اس طرح اسے متی پر فوقیت حاصل ہے جو صرف حواری تھا۔ چوتھے یہ کہ برنباس کا بیان صحیح تر اور سمجھنے میں آسان تر ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ برنباس کو انجیل لکھنے کی تاکید خود عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ (برنباس۔ باب 221)

ایک عجیب بات یہ ہے کہ چاروں اناجیل کا اعتبار قائم کرنے کے لئے جو دلائل دیے جاتے ہیں وہی دلائل برنباس کی انجیل کو کہیں زیادہ معتبر ٹھہراتے ہیں اور جن بنیادوں پر برنباس کی انجیل کا رد کیا جاتا ہے انہیں بنیادوں پر چاروں اناجیل برنباس کی انجیل سے بھی زیادہ غیر معتبر ٹھہرتی ہیں (ملاحظہ کریں THE GOSPELS (VS. THE GOSPELS DR. M.H.DURRAM)

بطور مشتے از خروارے ان اقتباسات کو پڑھتے ہیں جو برنباس کی انجیل کے ردّ کیے جانے کا سبب بنے:

1۔ ''اور یسوع راقم الحروف (برنباس) کی طرف مڑا اور کہا دیکھو برنباس! کسی طرح بھی مگر لکھو مرے احوال ان تمام باتوں کے متعلق جو اس دنیا کی زندگی میں پیش آ چکے ہیں اور اسی طریقے پر جیسے یہوداہ کے ساتھ ہوا تھا، تاکہ وفادار دھوکہ نہ کھائیں اور ہر ایک سچ پر ایمان لائے'' (باب 221)

2۔ یسوع نے جواب دیا ''واقعی میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک کتا بھی نامختون آدمی سے بہتر ہے۔'' (باب 22)

3۔ پھر یسوع نے کہا ''خوف اس کے لئے چھوڑ دو جو اپنی زائد کھال نہ تراشے، کیونکہ وہ جنت سے محروم ہے۔'' (باب 23)

4۔ اور اپنا سر اٹھا کر اس نے کہا ''لعنت ہو ہر اس شخص پر جو میرے اقوال میں یہ ملونی کرے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔'' (باب 53)

5۔ پھر خدا تمام منتخب لوگوں کو زندگی دے گا جو پکار اٹھیں گے اے محمد! ہماری طرف نظر کیجیے!

(باب54)

6۔ کیوں کہ جس طرح خدا ایک ہے ٹھیک اسی طرح دین بھی ایک ہے۔(باب90)

7۔ خدا نے کہا ''ٹھہرو محمد! کیوں کہ تیری خاطر میں جنت، دنیا اور مخلوقات کا انبوہ کثیر بنانے والا ہوں، جس کا میں تجھے ایک تحفہ بناتا ہوں حتیٰ کہ جو کوئی تیری ثناء کرے گا جزاء پائے گا، اور جو کوئی تجھے کوسے گا لعین ہوگا۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو اپنا نجات دہندہ پیغمبر بنا کر بھیجوں گا اور تیرا قول سچا ہوگا! اس طرح کہ زمین اور آسمان ٹل جائیں گے لیکن تیرا دین فنا نہیں ہوگا۔''(باب97)

8۔ یسوع نے اپنی ماں کو لپٹاتے ہوئے جواب دیا یقین کرو ماں، کیوں کہ بلاشک وشبہ میں تم میں سے کہتا ہوں کہ میں (صلیب پر) ہرگز نہیں مرا۔(باب220) ان اقتباسات کو پڑھ کر بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ برنباس کی انجیل کیوں مسترد ہوئی۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ یسوع کے دعویٰ ابن الٰہیّت کی تردید کرتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر وفات کی بھی تردید کرتی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ نامختونوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیتی ہے۔ لیکن اہم ترین وجہ ڈاکٹر خلیل سادات نے بتائی جو ایک عیسائی مصری عالم ہیں اور برنباس کی عربی انجیل کے دیباچے میں لکھتے ہیں، ''چونکہ برنباس کی انجیل اپنی پیشن گویوں میں محمد (ﷺ) کے نام کا ذکر کرتی ہے لہٰذا اس کی صداقت مشکوک ہے۔'' یعنی برنباس کی انجیل اس لئے غیر معتبر نہیں کہ اس میں کوئی تاریخی خلاء ہے بلکہ حضور ﷺ سے ذاتی عناد کی بناء پر جدید دور نے اسے مشکوک قرار دے دیا ہے۔ ان کے خیال میں کوئی شخص، بھلے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، نام کے ساتھ ایسے شخص کی پیشن گوئی نہیں کرسکتا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ جبکہ ایک مسلمان کے لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہلوایا ''میں مبشر ہوں ایک رسول کا جو آئے گا میرے بعد اس کا نام احمد ہوگا۔''(سورۂ صف۔آیت6) چنانچہ احمد کے نام سے بھی عیسیٰ علیہ السلام نے پیشنگوئی کی تھی جس کا ترجمہ یونانی زبان میں فارقلیط کر دیا گیا۔ یہی نہیں غزالغزلات میں داؤد علیہ السلام نے محمدؐ کے نام سے بشارت دی۔ اردو رسم الخط میں عبرانی الفاظ یہ ہیں:

''حکومنختم یخلو محمدیم دہ دودے زہرعی بنیوت یرشیلم''

(اس کا منہ از بس شیریں ہے ہاں وہ سراپا محمد عظیم ہے۔ پروشیلم کی بیٹیو! یہ ہے میرا پیارا یہ ہے میرا جانی)۔ یہی نہیں بلکہ ویاس منی مہرشی نے بھی محمد نام سے پیشنگوئی کی۔ سنسکرت الفاظ یہ ہیں کہ ''اتیتسمین انتر ملیچھ اچارین سمنوتہ محمداتی کھیاتہ شیشہ شاکھا سمنوتہ'' ''اتنے میں غیر ملکی روحانی استاد محمد نام کا اپنے شاگردوں کے ساتھ آیا'' علاوہ ازیں اور کئی حوالہ جات ہندوستان، ایران اور مشرقِ بعید کے مذہبی سرمایہ میں بھی موجود ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں لیکن جو آج بھی متلاشیانِ حق کے لئے چراغ ہدایت ہیں۔ (مأخوذ از سہ ماہی دیندار کراچی جنوری تا مارچ 09ء)

تبصرۂ کتب

نام کتاب: امام لاہوری کے رسائل

رشحاتِ قلم: امام حضرت مولانا احمد علی لاہوری نوراللہ مرقدہٗ

ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ضخامت: 334 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی طرف سے ایک اور گراں قدر تحفہ ''امام لاہوری کے رسائل'' کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ شیخ التفسیر امام احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے نامِ نامی سے شاید ہی کوئی ناواقف ہو حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے درسِ قرآن کی گونج لاہور کے اطراف واکناف تک پھیلی ہوئی تھی، درس کیا ہوتا تھا الطاف واکرام کی بارش ہوتی تھی جو سامعین پر بلاتخصیص برستی تھی۔ انہی شیخ لاہوری رحمہ اللہ کے رسائل کو پہلے علیحدہ علیحدہ وقتاً فوقتاً صدیقی ٹرسٹ کراچی کے روحِ رواں الحاج منصور الزمان صدیقی صاحب نے شائع کیا اس کے بعد رسائل کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر القاسم اکیڈمی کے صدر حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے بہت خوبصورت انداز میں ایک جلد کے اندر مرتب کر دیا ہے۔

رسائل کے عنوان دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ رسائل کس قدر و قیمت کے ہوں گے مقصدِ زندگی (احادیث کی روشنی میں)، وظائف نبوی، معراج النبیؐ، تحفہ میلاد النبیؐ، مسلمانوں کو

مزائیت سے نفرت کے اسباب اور مرزا کے اقوال، فلسفۂ نماز، مسلمان عورت کے فرائض، اصلی حنفیت، احکامِ شب برات، مالِ میراث، تذکرہ اسلامی رسومات، فوٹو کا شرعی فیصلہ، باجوں کی حرمت، پیر اور مرید کے فرائض، خدا کی مرضی، عروجِ اقوام کے اسباب، اسلام کا فوجی نظام اور استحکامِ پاکستان۔

اِن میں سے بعض موضوعات تو آج کل بھی کرنٹ افیئر ز میں شامل ہیں اور بہت سے طبقات ان موضوعات پر افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ اُمید ہے کہ اِن رسائل کے مطالعہ سے صحیح سمت کی طرف رہنمائی مل سکے گی۔

رنگا رنگ ٹائٹل، خوب صورت مضبوط جلد، کمپیوٹر کتابت اور حضرت لاہوریؒ کی قابل عمل تحریروں سے سجا یہ حسین گلدستہ قارئین کے ذوقِ مطالعہ کے لیے امتحان ہے یہ کتاب یقیناً قارئین کی کلیکشن میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہوگی۔

2

نام کتاب: تذکرہ وسوانح شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان شہید رحمہ اللہ
(اشاعت خاص ماہنامہ القاسم نوشہرہ)

تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: 616 صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی زید مجدہ، وقتاً فوقتاً اپنے مؤقر جریدہ ''القاسم'' کی خصوصی اشاعتوں اور مخصوص نمبروں کی اشاعت کا اہتمام کرتے رہتے ہیں اس طرح ایک طرف تو وہ ان اکابر واسلاف اور مشائخ کے حالات کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر رہے ہیں دوسری طرف متعلقینِ دیوبند کی طرف سے ''فرض کفایہ'' بھی ادا کر رہے ہیں اس طرح وہ قابلِ صد تحسین کے لائق ہیں کہ جو کام اکیڈمیوں کے کرنے کا تھا وہ تنِ تنہا سرانجام دے رہے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''القاسم'' کی ۱۳ویں اشاعتِ خاص ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے تذکرۂ جمیل پر مشتمل ہے۔ مولانا محمد حسن جان ماضی قریب کے ان

اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے جو فن حدیث میں دقت نظر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔ زیر نظر کتاب میں یوں تو بہت سے مضامین شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی شخصیت کردار کو اجاگر کرتے ہیں مگر ان کی ''خودنوشت سوانح حیات'' سے اقتباسات اس اشاعت کی جان ہیں جس میں انہوں نے اپنے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ کرام کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

نقوشِ زندگی، تذکرہ اساتذۃ، قومی خدمات، اوصاف وکمالات، خطبات ومقالات، علماء کے تأثرات، میڈیا اور پریس کے تأثرات اور تاریخ ہائے وفات غرضیکہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی شخصیت کا مکمل خاکہ اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ رنگا رنگ ٹائٹل، خوبصورت جلد، غلطیوں سے پاک کتابت اور بہت سے نوآموز و نامور اہل قلم علماء کرام کی تحریروں سے سجا یہ حسین گلدستہ آپ کی لائبریری کی زینت بننے کے لئے تیار ہے۔ (تبصرہ نگار: امجد اقبال ساجد)

نعت رسول مقبول ﷺ

اپنی امت کے لئے کی آہ و زاری آپؐ نے کی نچھاور زندگی ساری کی ساری آپؐ نے
خارزارِ بُت پرستی میں کِھلے وحدت کے پھول اپنے اطہر خوں سے کی جب آبیاری آپؐ نے
ان کو سینے سے لگایا جو تھے بے برگ و نوا کی یتیموں بیکسوں کی پاسداری آپؐ نے
چھینا جھپٹی ہاؤ ہو، جور و جفا جاتا رہا خون کے پیاسوں کو بخشی جانثاری آپؐ نے
جن کی اپنے گھر محلے میں بھی شنوائی نہ تھی ایسے ناچاروں کو بخشی تاجداری آپؐ نے
یا صنم تھا ورد جن کا یا صمد جپنے لگے لاالٰہ کی یوں لگائی ضرب کاری آپؐ نے
اب لگے کہلانے سید جو تھے صدیوں کے غلام حکمرانوں کو عطا کی خاکساری آپؐ نے
پایا مشتِ خاک نے رشکِ ملائک کا خطاب جب سے پہنی خلعتِ محبوب باری آپؐ نے
آپؐ کے در سے اویسی کو ملا فنِ سخن اور سکھائی ہے اس کو قلمکاری آپؐ نے

ہزاروں بار توبہ میں نے توڑی

ہزاروں بار توبہ میں نے توڑی — مگر بخشش نہ تو نے اپنی چھوڑی
تجھی سے لے کر گلچھرّے اڑائے — تری راہ میں نہ دی اک پھوٹی کوڑی
خوشامد کی، ملا جو زور آور — مگر کمزور کی گردن مروڑی
گناہوں کی میں دلدل میں پھنسا ہوں — ہے حادی نفس اور شیطاں کی جوڑی
رہا ہوں کاربند ظلم وستم پر — لہو کی بوند بے کس کی نچوڑی
تری بے پایاں رحمت کے مقابل — ہے میری کثرت عصیاں بھی تھوڑی
کروں میں ذکر کیا کیا نعمتوں کا — کہ نسبت اک ولی سے میری جوڑی
تریِ رحمت سے ہوں رشکِ ملائک — وگرنہ مول نہ تھا ایک کوڑی
اویسی نے عیاں کی ہے حقیقت — نہیں اس نے حکایت دل سے جوڑی

انجینئر عبدالرزاق اویسی ٹوبہ ٹیک سنگھ

گزشتہ 25 روزہ قرآنی تربیت گاہیں

پھر سوئے حرم لے چل

چند شرکاء کے تاثرات

''پھر سوئے حرم لے چل'' اقامتی تربیت گاہ ایک منفرد قسم کی تربیت گاہ ہے جو شرکاء میں قرآن فہمی کا شوق، اسلاف سے محبت، اسلامی تاریخ سے آگہی اور اسلام کے عروج و زوال کی عہد بہ عہد نقشہ کشی کر کے آج کے اس دورِ زوال میں پھر نشاۃ ثانیہ کا جذبہ بیدار کرتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کورس کے بارے میں صحیح تاثرات اس میں شریک ہو کر ہی دل کی گہرائیوں سے ابھر سکتے ہیں جن کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان کرنا مشکل ہے۔ ع لذت ایں بادہ ندانی بخدا! تا نہ چشی

1

نام: مطیع اللہ والد نصیر احمد

تعلیم: B.COM ایڈریس: چک 290 گ ب ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

خدائے بزرگ و برتر کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے توفیق دی کہ میں اس 25 روزہ کورس کرنے کے لئے قرآن اکیڈمی جھنگ میں آیا۔ اس اکیڈمی میں منعقد ہونے والا یہ 25 روزہ قرآن فہمی کورس، دین کو بطور نظامِ زندگی سمجھنے اور پڑھنے کے لئے نوجوان نسل کے لئے بہترین موقع ہے۔ اس کا نصاب بڑا جامع اور سوچ سمجھ کر تیار کیا گیا ہے۔ میں خصوصاً مختار حسین فاروقی صاحب کو اس بات پر خراج عقیدت پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنا ایک ایک منٹ دین کے لئے وقف کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ انہیں صحت عطا فرمائے تا کہ وہ اپنی خدمات اسلام کے فروغ

کے لئے دیتے رہیں اور میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کے میں فاروقی صاحب جیسے عظیم آدمی کے زیر سایہ 25 دن تک تعلیم حاصل کرتا رہا۔ فاروقی صاحب قرآن مجید، احایث، تاریخ اسلام اور کلام اقبال کو بہت اچھے اور پر جوش طریقہ سے شرکاء کو ذہن نشین کرواتے رہے رہیں۔ ان کے علاوہ محترم پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب سے بھی لیکچر لینے کا موقع ملا ان کا پڑھانے کا طریقہ بہت دلکش ہے۔ اور مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کو واقعی عربی پر عبور حاصل ہے۔ انتظامی معاملات میں رانا صاحب کی خدمات بہت اعلیٰ اور شاندار ہیں بلکہ یہ کہ رانا صاحب کے بغیر انتظامیہ ادھوری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اکیڈمی کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ (آمین)

2

نام: محمد رفیق　　والد: محمد یعقوب

تعلیم: B.COM　　ایڈریس: محلّہ اسلام پورہ ضلع نارووال

اللہ کریم کا شکر ہے کہ اس نے توفیق دی کہ اپنی فضولیات کو چھوڑ کر کچھ وقت دین سیکھنے کے لئے مختص کر سکا۔ یہاں ان 25 دِنوں میں ہمیں اکیڈمی میں جو مضامین پڑھائے گئے ہر مسلمان کو ان کا علم ہونا چاہیے۔ میں اپنے اساتذہ کرام مختار حسین فاروقی صاحب، مفتی عطاء الرحمٰن صاحب، خلیل الرحمٰن صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے ہمیں بڑی محنت کے ساتھ پڑھایا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ ان سب کو اجر عظیم دے اور ہمیشہ دین کے کاموں میں مصروف رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ اس اکیڈمی کو اسلام سکھانے اور اسلام کی سربلندی کے لیے ہمیشہ آباد رکھے اور ترقی دے یہاں پر تربیت حاصل کرنے والے ہر طالب علم کو دین کی سربلندی میں کردار ادا کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

3

نام: احمد جواد خان　　والد: شادی بیگ خان

تعلیم: F.S.C (پری میڈیکل)　　ایڈریس: بلال ٹاؤن میانوالی

میرے دل میں دین کا علم حاصل کرنے کی بڑی خواہش تھی اور میں سوچتا تھا کہ اتنے لوگ دنیاوی علم کے حصول کے لئے دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہیں اور میں دین کے علم کے لئے

باہر نکلوں گا تو بہت فائدہ ہوگا چنانچہ میں بڑا فکر مند تھا میں نے قرآن آکیڈمی جھنگ میں 25 روزہ قرآن فہمی کورس کا اشتہار ندائے خلافت میں دیکھا تو میں نے ایف ایس سی کے ریزلٹ کے بعد یہاں آنے کا پروگرام بنایا۔محترم فاروقی صاحب کی دو تین CD'S کے پروگرام سننے کا اتفاق ہوا تو ان کا انداز بیاں کافی اچھا لگا میری خواہش تھی کہ ان سے بھی ملاقات ہوگی۔جب میں یہاں آیا تو اپنے آپ کو الحمدللہ بہت پرسکون پایا اور سب دوستوں اور ساتھیوں سے گھل مل گیا یہاں بالکل گھر جیسا ماحول تھا۔محترم فاروقی صاحب اور محترم خلیل الرحمٰن صاحب کے لیکچر سے علم میں کافی اضافہ ہوا۔محترم مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے عربی کی کلاس لی اس میں بھی کافی فائدہ ہوا۔عربی سیکھنے کا کام ذرا مشکل تھا لیکن الحمدللہ کوشش جاری رکھی۔رانا صاحب اور اکیڈمی کے دیگر ملازمین کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔آخر میں میں اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی دعوت دوں گا کہ وہ یہاں چھٹیوں میں آئیں اپنا وقت ضائع مت کریں۔ان شاءاللہ بہت فائدہ ہوگا کیونکہ دنیا کی خاطر تو ہم بہت کچھ کرتے ہیں لیکن آخرت کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے جو کہ آکر رہنی ہے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اکیڈمی کو قیامت تک قائم و دائم رکھے تاکہ ہر مسلمان خواہ نوجوان ہو یا بوڑھا۔اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔

4

نام:محمد آزاد عباسی　　والد:علی بہادر عباسی

تعلیم:میٹرک　　ایڈریس:ضلع باغ آزاد کشمیر

میں باغ (آزاد کشمیر) میں کپڑوں کی دوکان کرتا ہوں ایک دن جناب مختار حسین فاروقی صاحب کا ماہنامہ رسالہ حکمت بالغہ ملا اس کا سرورق ہی ایک اشتہار تھا جس میں 25 روزہ قرآن فہمی کورس کے بارے میں تھا۔دل میں یہ سوچا کہ بے شک میری عمر 61 سال ہوگئی ہے مگر کیا ہوا اگر اس عمر میں بھی قرآن وحدیث کے بارے میں میری رہنمائی ہوجائے تو کیا ہی اچھا ہو میں نے اپنی کپڑوں کی دوکان بند کی اور یہاں چلا آیا ماشاءاللہ یہاں آکر پتہ چلا کہ ہم کس اندھیرے میں رہتے ہیں بہت سی باتوں کا پتہ چلا خاص کر محترم مختار حسین فاروقی کی ایک ایک بات دل میں اثر کرنے والی تھی جس پیار و محبت کے انداز سے انہوں نے پڑھا وہ قابل تحسین ہے پھر بھی میرے

دل میں یہ ارمان رہ گیا کہ کاش آج سے دس بیس سال قبل ان سے یہ درس ملتا۔ میری یہی دعا ہے کہ اللہ پاک اس مرکز کو کامیابی کی منازل طے کرائیں اور اس مرکز کا جو حصہ زیر تعمیر ہے اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے اس کی تکمیل فرمائیں۔ (آمین)

5

نام: محمد عمران　　والد: محمد اشرف

تعلیم: میٹرک　　ایڈریس: محلّہ ماجیاں پشاور سٹی

کل شکر اُس ذات باری تعالیٰ کا جس نے مجھے بہترین موقع دیا کہ میں اس پچیس روزہ پروگرام میں بھرپور شریک ہوا اور مستفید بھی ہوا۔ جناب مختار فاروقی صاحب اور ان کی پوری ٹیم نے نہایت اچھے انداز میں دین کے مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ عربی گرائمر، تاریخ اسلام، احادیث نبوی اور کلام اقبال پڑھایا جس سے مجھے کافی حد تک جِلا حاصل ہوئی گویا یہاں آ کر محسوس ہوا کہ

؎ سرکشی نے کر دیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوح جبیں تازہ کریں

اور اب یہاں سے دین کا ایک نیا جذبہ اور دین کی خدمت کا عزم لئے جا رہا ہوں اور کوشش ہوگی کہ اس پروگرام کے لئے محنت کی جائے اور پشاور میں بھی اور جگہ جگہ یہ کورس پڑھائے جائیں یا پھر کم سے کم اپنے دائرکار میں اسی کو عام کیا جائے۔ قرآن اکیڈمی کی انتظامیہ کے حوالے سے دل بہت مطمئن ہے رانا صبغت اللہ صاحب اُن کے تمام ساتھیوں نے بہت خدمت کی ہے۔ اللہ ان کا اجر اپنی بارگاہ الٰہی میں محفوظ فرمائے۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ قرآن کے خادموں کے اس شجر کو پروان چڑھائے اور لوگ اس کے سائے، اس کے پھل اور اس کی برکات سے مستفید ہوں۔

ع　　پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

6

نام: عبدالرحمٰن　　والد: فضل الرحمٰن عرفانی

تعلیم: میٹرک　　ایڈریس: محلّہ مدن شاہ جھنگ شہر

الحمدللہ قرآن اکیڈمی میں گزرہ ہوا وقت ایک انمول اثاثہ کی مانند ہے۔ اکیڈمی ھذا

میں وہ کچھ پایا ہے جو آج سے پہلے بہت حد تک جانتا نہ تھا۔ ''پھر سوئے حرم لے چل'' سے ترتیب دیا گیا نصاب ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اکیڈمی کا ماحول اچھا ہے۔ یہاں کی سہولیات گھریلو سہولیات سے کم نہیں ہیں جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی بروقت ہمیں مل جاتی تھی۔ اساتذہ کے پڑھانے کا انداز بہت اچھا ہے، پورے وقت میں اساتذہ کلاس روم میں پہنچ جاتے تھے اور بڑی لگن اور محنت سے پڑھاتے تھے۔ جناب مختار حسین فاروقی صاحب نے اپنے دروس سے ہمارے باطن کو ایک انقلابی روح مہیا کی ہے جو ہمیشہ ہمارے دامن کے ساتھ بندھی رہے گی اور اس میں کمی کی بجائے اضافہ ہوگا ان شاءاللہ۔ اس کورس میں ہم نے یہ بھی جانا ہے کہ اصل دین کیا ہے؟ اس کے عملی تقاضے کیا ہیں؟ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ قرآن مجید کا فہم حاصل کرنے کا میری زندگی میں شاید یہ پہلا موقع ہے جو میرے لئے باعث فخر ہے۔ ان پچیس دنوں میں میرے اندر قرآن کا فہم حاصل کرنے کا ایک نیا جذبہ بیدار ہوا ہے اور میں ان شاءاللہ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اور میں جناب مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کا بھی خصوصی شکر گزار ہوں جن کی عربی کی تعلیم کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک قرآن سمجھنا آسان ہوا۔

رانا صاحب کا سپیشل شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے قیام وطعام کا بڑا خیال رکھا اور کھانے میں بہت عمدہ سبزی یا گوشت وغیرہ رکھتے تھے۔ کیونکہ بہترین اور عمدہ غذا ہی کسی قوم کی تندرستی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ اور جملہ ملازمین اکیڈمی کا بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی انتھک محنت سے ہمیں گھریلو ماحول دیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ انتظامیہ اکیڈمی کو ہمت اور حوصلہ دے تا کہ وہ اس اکیڈمی کے ان نیک منصوبہ جات کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں جو انہوں نے اس اکیڈمی کے بارے میں سوچ رکھے ہیں۔ (آمین)

علماء کرام وخطباء حضرات سے اپیل

ہر ماہ کا ایک جمعہ ختم نبوت کے لئے وقف کریں

☆..... عقیدہ ختم نبوت دین کی اساس ہے۔ چنانچہ امام زین نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر ص ۱۰۲ پر لکھا ہے کہ: ''اذا لم یعرف انّ محمدا ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانه من الضروریات ''جس شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں، وہ مسلمان نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

☆..... آئین پاکستان کی رو سے قادیانی کافر ہیں جبکہ وہ خود کو مسلمان اور امت محمدیہ کو کافر کہہ کر آئین سے بغاوت کر رہے ہیں۔

☆..... تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کے بعد تحریک مصطفیٰ ﷺ، تحریک ایم آر ڈی، شیعہ سنی تنازعہ، لسانی قضیہ، عراق، ایران، کویت، عراق جنگیں، افغانستان میں روسی پھر امریکی یلغار، سقوط عراق سے سانحہ لال مسجد تک ہوش رُبا اور سنگین مسائل اور مجبوریوں کی وجہ سے ختم نبوت کے تحفظ کا کام اور قادیانیت کے احتساب کے عمل کی، خطابت میں ثانوی حیثیت ہوگئی۔ حالانکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تبلیغ اور جہاد جیسے فرائض کا تعلق حضور ﷺ کے اعمال سے ہے اور ختم نبوت کا تعلق حضور ﷺ کی ذات مبارک سے ہے۔

☆..... ختم نبوت کی پاسبانی براہِ راست ذات اقدس ﷺ کی خدمت کے مترادف ہے۔

☆..... لہٰذا: تمام خطیب حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ کم از کم ہر ماہ کا ایک جمعہ مسئلہ ختم نبوت کے بیان کے لئے وقف کر کے شفاعت نبویؐ کے مستحق بنیں۔ قادیانیت سے خود بچنا اور امت کو بچانا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین!

والسلام!

(مولانا خواجہ خواجگان) خواجہ خان محمد

مدیر کے نام

محترم جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب

السلام علیکم! خیریت موجود و مطلوب

میں نے 'حکمت بالغہ' کا ''احیاء العلوم نمبر'' مئی 2009ء نہایت توجہ اور دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اس کا معیار عمدہ، مواد موزوں اور تحریریں مدلّل ہیں۔ مضامین میں ماضی، حال اور مستقبل کا خوبصورت امتزاج ہے۔ آپ نے اسی خصوصی اشاعت میں مسئلہ، مسئلہ کے اثرات، نتائج، خدشات اور مستقبل کے امکانات پر نہایت بصیرت افروز نگارشات شامل کی ہیں۔ جو آج بھی ہر فرد کی اہم ضرورت ہیں۔ ان تحقیقی تحریروں میں تدریسی طرز اختیار کر کے عام قارئین کے لئے سہل فہمی کا سامان پیدا کیا گیا ہے۔

اقبال کے فلسفۂ تعلیم اور جدید سائنسی تحقیق کی بنیاد پر تجرباتی اور مشاہداتی علم پر خاصی دلچسپ بحث کی ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ کو خداشناس اور خدا پرست بنانے پر خاصا روز قلم دکھایا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ مسلمان اپنے تمام تر علوم و فنون کو علوم وحی کے تابع کریں اور عقلِ سلیم و فطرت سلیم کو تصرف میں لا کر ابلیسی آلہ کار بننے سے اجتناب کریں۔ اس کے ساتھ ہی مروجہ علوم کی اسلامائزیشن کریں۔ یہاں تک تو یہ بات جزوی طور پر درست سمت میں گامزن

محسوس ہوتی ہے۔میرے خیال میں اس طرح یہ طرز فکر ایک خاص حلقے تک محدود ہو رہا ہے۔اور اس میں سے آفاقیت کا پہلو مفقود ہو گیا ہے۔اسلام کا ابدی پیغام تو زمین وزماں سے ماورا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ عقلی اور نقلی علوم کی سرحدیں پہلی جست میں بغل گیر نہیں ہو سکتیں۔اسی طرح کتابوں کے ٹائٹل بدلنے سے نظام اور نصاب تعلیم میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ہمارا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم فکری تضاد کا شکار ہو چکے ہیں۔اور یہ سلسلۂ فکر دراز ہوتا جا رہا ہے۔اسی کے اثرات اور نتائج بے راہروی اور فکری بحران کی صورت میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔اس تضاد کو اتفاق اور ہم آہنگی سے بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔ہر نظریہ اپنے دور کے معروضی حالات کا عکاس ہوا کرتا ہے۔ماضی کے اوراق کو پلٹ کر دیکھیں تو یہ کڑوا سچ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ سارا اور سب سے زیادہ فکری ٹکراؤ مسلمانوں میں ہی رہا ہے۔امت مسلّمہ اگر ملت واحدہ بن جاتی تو یہ سارے مسائل ازخود ناپید ہو جاتے۔عہد سرسید سے قبل امام غزالی رحمہ اللہ اور امان ابن خلدون رحمہ اللہ کے تعلیمی نظریات میں بھی مماثلت،موافقت اور مخالفت رہی ہے۔برصغیر میں انگریزوں کے دور اقتدار میں علوم متداولہ کے جمود کے نتیجے میں سرسید احمد خان کی عقلیت پسندی نے فکری نظام کو بہت متاثر کیا۔میں سمجھتا ہوں کہ اصل مسئلہ تعلیم کا نہیں ہے بلکہ اس الحاد کا ہے جو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ہماری تہذیبی،ثقافتی اور علمی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے بلکہ اسی نے تو ہم سے قوت فکر بھی سلب کر لی ہے۔ہم آنکھیں گاڑ کر وہی دیکھنے پر خوش بیٹھے ہیں جو ہمیں دکھایا جا رہا ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلیمی نظریات پر آپ نے خاصی طویل تحریر شامل کی ہے جو پرتاثیر اور معنی خیز ہے۔علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی دونوں تہذیب مغرب کے اثرات بد سے نالاں تھے۔اکبر نے صرف بے اعتدالیوں کو روکنے پر سارا زور لگا دیا جب کہ اقبال نے جہاں تہذیب کی خرابیاں بیان کیں وہاں خوبیوں کو اپنانے کے لئے قوم کی ذہنی اصلاح کا فریضہ بھی بخوبی انجام دیا۔انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید سے اجتناب کا درس دے کر خودی کی پرورش کرنا سکھایا اور یہ جنگ فکری سطح پر جاری رکھی۔ہم کسی بھی طرح کسی بھی طریقے سے حاصل شدہ علم اور معلومات کو رد نہیں کر سکتے البتہ علم مذموم اور علم محمود میں حد فاصل ضرور کھینچ سکتے ہیں۔قرآن پاک اور صاحب قرآن نے بھی جنت

اور دوزخ دونوں راستوں کے بارے میں مطلع فرمایا اور راستے کا انتخاب کرنے میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ یہ بھی تو حقیقت ہے کہ انسان روح اور جسم دونوں کا مرکب ہے۔ دونوں کو توانا بنانے کے لئے جدا جدا غذاؤں کی ضرورت ہے۔ عہد حاضر سائنس اور ٹیکنالوجی سے معمور ہے ہمیں اس سے متعلقہ تمام علوم مطلوب ہیں کیونکہ گلوبل ویلج سے الگ ہو کر وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔ یہ علوم بالذاتہٖ سیکولر نہیں ہیں بلکہ ان سے حاصل شدہ معلومات سے تعمیر اور تخریب کا پہلو نکلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمام علوم جو حقائق کی بنیادوں پر ہوں خواہ ان کا تعلق فنون و تحقیق سے ہو یا سائنس و ادب سے سبھی عظیم اور برتر طاقت کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ مجھے اس بات سے مکمل اتفاق ہے کہ نظریاتی ملک کا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم اسی کے نظریاتی وجود سے ہم آہنگ ضرور ہونا چاہئے تا کہ ہر قوم اپنا تشخص اور شناخت برقرار رکھ سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحقیق اور اجتہاد کے دروازے بھی ہمہ وقت کھلے رہنے چاہیں تا کہ قوم فکری جمود کا شکار نہ ہو اور عہد حاضر کے مسائل کا حل دریافت کر سکے۔ چونکہ قوموں کے عروج و زوال میں اخلاق و کردار کا بہت بڑا عمل دخل ہوتا ہے لہٰذا اس پہلو کو کسی بھی مقام پر ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے یا پس پشت نہیں ڈالنا چاہئے۔

بہر حال ''حکمت بالغہ'' کا یہ خصوصی شمارہ اپنی تمام تر تابانیوں اور تابناکیوں کے ساتھ منصۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ یقیناً اس کے اثرات ذہنوں پر تا دیر رہیں گے۔ ممکن ہے فکری پہلو کو بدلنے کا سبب بن جائے۔ میں اس عمدہ کاوش پر تمام اہل قلم اور مجلس ادارت اور قرآن اکیڈمی کی جملہ احباب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ امید ہے یہ فکری سلسلہ اور ذہنی بیداری کا سلسلہ جاری رہے گا۔

نیاز مند پروفیسر صفدر علی شاہ

گورنمنٹ ڈگری کالج جھنگ

آج کی ـــــــ مغرب کی بالادستی ـــــــ کا راز

مشہور زمانہ کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' کے مصنف

سیموئل پی ہنٹنگٹن ـــــ کا اعتراف

''ـــــــ 1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔

مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے ـــــــ''

''ہر تہذیب خود کو دنیا کا مرکز تصور کرتی ہے اور تاریخ کو ب انسانی تاریخ کے مرکزی ڈرامے کی طرح تحریر کرتی ہے۔ یہ قول دوسری تہذیبوں کے برعکس مغرب پر زیادہ صادق آتا ہے۔ تاہم اس انداز کے ایک تہذیب کی برتری والے تصورات کی جگہ کثیر تہذیبی تصورات رواج پا رہے ہیں۔ تہذیبوں کے سکالرز نے بہت پہلے اس حقیقت کو بھانپ لیا تھا اور ٹائن بی جیسے عظیم مؤرخوں نے مغرب کی تنگ نظری پر تنقید کی تھی۔ تاہم بیسویں صدی کے آخری سالوں میں تنگ نظری پر استوار اس تصور کو فروغ ہوا کہ مغرب کی تہذیب اب دنیا کی آفاقی تہذیب ہے۔''

(ترجمہ عبدالمجید طاہر)